تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

جلد 3/ شمارہ 2
فروری ۲۰۲۳ء

ماہ نامہ

مفاہیم

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

- جامعہ بحریہ کے اساتذہ سے گفتگو
- پاکستان کیوں ٹوٹا؟
- اے وادئ کشمیر

مَن يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

اقبال

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی رحمہ اللہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلس مشاورت

• حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب
• ڈاکٹر محمد رشید ارشد
• مفتی اویس پاشا قرنی
• مولانا معراج محمد
• مولانا سید اسامہ علی
• مولانا ابرار حسین
• مولانا عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستانِ جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضامین

نعت	دیکھتے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے	مولانا سید کفایت علی کافیؔ	۴
اداریہ	جرمِ غریبی	مدیر	۶
درسِ قرآن	عباد الرحمٰن کا وصف: کبائر سے اجتناب	مولانا محمد اقبال	۱۰
درسِ حدیث	تدفین سے فراغت پر دعا کی فضیلت	ابنِ عباس	۱۵
تنقیدِ مغرب	جامعہ بحریہ کے اساتذہ سے گفتگو (۳)	ڈاکٹر محمد رشید ارشد	۲۱
مقالات	جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے (۳)	مولانا حماد احمد ترکؔ	۲۷
مقالات	پاکستان کیوں ٹوٹا؟	شاہ نواز فاروقی	۳۳
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱۹)	صوفی جمیل الرحمان عباسی	۴۰
فقہیات	القواعد الفقهية: القاعدة السابعة	مفتی نذیر احمد ہاشمی	۴۶
یسئلونک	ماہِ رجب کے روزوں کی فضیلت والی احادیث کا حکم	دار الافتاء، فقہ اکیڈمی	۴۹
ادبیات	نظم: اے شعاعے سَحَرِ تازہ	احمد فرازؔ	۵۱
ادبیات	نظم: اے وادیٔ کشمیر	مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	۵۳

مولانا سید کفایت علی کافیؔ شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۵۸ء)

۱۸۵۷ء کی جنگ کے معروف حریت رہنما

دیکھتے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے

دیکھتے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے
گلِ نظارہ کو آنکھوں سے لگاتے جاتے

ہر سحر روے مبارک کی زیارت کرتے
داغِ حرماں دلِ محزوں سے مٹاتے جاتے

پاے اقدس سے اٹھاتے نہ کبھی آنکھوں کو
روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے

دشتِ اسرا میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

سرِ شوریدہ کو گیسو پہ تصدق کر کے
دلِ دیوانہ کو زنجیر پنہاتے جاتے

قدمِ پاک کی گر خاک بھی ہاتھ آ جاتی
چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے

خواب میں دولتِ دیدار سے ملتے وہ اگر
بختِ خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے

دستِ صیاد سے جو چھوٹے ہزاروں کی طرح
چمنِ کوچۂ دلبر ہی میں آتے جاتے

کافیؔ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

*****

مدیر
ماہنامہ مفاہیم، کراچی

جرمِ غریبی

حضرت علامہ اقبال نے جو اشعار ''جمیعتِ اقوام'' کے لیے کہے تھے اور کچھ عرصہ بعد وہ مر بھی گئی تھی، وہ پاکستانی معیشت پر بھی صادق آتے ہیں:

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے — ڈر ہے خبرِ بد مرے منہ سے نہ نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن — پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے

ملک کے کرتا دھرتا طبقے کی تقدیر ٹل جانے کی دعا کے باوجود، خاکم بہ دہن اب لگتا ہے کہ ہونی ہو کر رہے گی۔ جس طرح پاکستانی حکومتوں کے پاس آئی ایم ایف کے پاس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا تو ہمارے لیے بھی اقبال کے حضور پہنچے بنا کوئی چارہ نہیں، چنانچہ علامہ ہمیں بتاتے ہیں:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے — ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مُفاجات

آج اگر اقبال زندہ ہوتے اور الٹی عمرانی چھلانگیں دیکھنے کے بعد انھوں نے شہباز کی کرگسی پروازیں دیکھی ہوتیں تو شاید دوسرا مصرع یوں ارشاد فرماتے: ''ہے جرمِ غریبی کی سزا مرگِ مفادات''۔ تو غریب پاکستانی قوم کے مفادات گئے بھاڑ میں، اس بے چاری کو آئے دن یہی سننا پڑتا ہے کہ ''آئی ایم ایف کی شرائط مانے بغیر کوئی چارہ نہیں''، ''سخت فیصلے کرنا ہوں گے''، ''گیس اور بجلی کی قیمتیں بڑھائے بغیر کوئی چارہ نہیں''، ''شرحِ سود بڑھانی پڑے گی''۔

ہماری معیشت کا دم جو لبوں پر ہے تو یہ مغرب کے معاشی نظام (جسے حقیقت کے اعتبار سے ''بدمعاشی نظام'' کہنا

زیادہ مناسب ہے) کے سبب ہے۔ مغرب کی اقتصادی دہشت گردی کو سمجھنے کے لیے ہمیں پھر اقبال کے حضور جانا پڑے گا جب وہ لینن کا مقدمہ خدا کے حضور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں — گِرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے — سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ عِلم، یہ حِکمت، یہ تدبُّر، یہ حکومت — پیتے ہیں لہُو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عُریانی و مے خواری و اِفلاس — کیا کم ہیں فرنگی مَدنِیّت کے فتوحات؟
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم — حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہم مغرب کو کیا کہیں کہ بقولِ سلیم احمد: ''مغرب مغرب ہے''، وہاں سورج بھی جائے تو ڈوب جاتا ہے۔ وہ اندھیر نگری، فیضانِ سماوی، ہدایتِ آسمانی، وحیِ ربانی سے تو محروم ہے ہی۔ مشرق کے حالات بتاتے ہیں کہ اس کی بدحالی: فیضانِ سماوی، ہدایتِ ربانی اور تعلیمِ پیغمبری سے روگردانی اور بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم میں اتباعِ محمدی ﷺ کی کچھ بھی رمق ہوتی تو ہم قرضوں کی دلدل میں یوں نہ پھنستے جیسے کہ اب پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ تو ہمیں اپنی دعاؤں میں قرض سے بچنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ایک دعا ملتی ہے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ» '' اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں قرض اور گناہ سے''۔ مَأْثَم کا عام ترجمہ تو گناہ کا کام کیا جاتا ہے لیکن اس سے وہ امر بھی مراد ہو سکتا ہے جو کسی گناہ کا ذریعہ بنتا ہو۔ مَغْرَم غیر ضروری یا اس قرضے کو کہتے ہیں جس کی واپسی کی سکت نہ ہو۔ قرضِ مغرم کو گناہ کے ساتھ ذکر کرنے پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تعجب ہوا تو پوچھا: ''یارسول اللہ! کیا بات ہے کہ آپ قرض سے اکثر پناہ مانگتے رہتے ہیں فرمایا: «إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ، حَدَّثَ فَكَذَبَ، وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ» ''بے شک بندہ جب قرض کے زیر بار ہو جاتا ہے تو جھوٹ بھی بولتا ہے اور وعدے کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے''۔ تو گناہ کے ساتھ قرض کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ گناہ کا ذریعہ بنتا ہے۔ انفرادی سطح پر تو اس گناہ کی دو مثالوں کا حدیث میں ذکر ہو گیا، ان دونوں اور اس جیسے دوسرے گناہوں کا ارتکاب ''ریاستی سطح'' پر بھی کرنا پڑتا ہے کہ اگر ریاست قرض کے بوجھ تلے دبی ہو۔ تو الیکشن کے

وقت بجلی، تیل اور دیگر اشیاے ضرورت کی قیمتیں کم کرنے کے وعدے ہوتے ہیں لیکن جب حکومت میں آنے کے بعد ’’عالمی ساہوکاروں‘‘ کی قسط دینے کا وقت آتا ہے اور اس قسط کے لیے مزید قرض لینا پڑتا ہے تب انتخابی وعدوں کو پسِ پشت ڈال کر آئی ایم ایف کی شرائط قبول کرنا پڑتی ہیں۔ یہ وہ جرمِ غریبی ہے جس کی سزا کے طور پر ہم اپنے فیصلوں میں آزاد نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے مفادات کے بجائے عالمی اداروں کے مفادات کا تحفظ کرنا پڑتا ہے۔ آئے دن ہم سنتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا ہر شہری اتنے اتنے ڈالر کا مقروض ہے۔ حالانکہ ڈالر تو کیا عوام بے چاروں کو تو پھوٹی کوڑی تک نہیں دی گئی اور قرضے تو مقتدر قوتوں نے ہڑپ کیے ہیں۔ آئی ایم ایف کے قرضے نہ ہم واپس کر سکے نہ وہ ہماری معیشت کو سہارا دے سکے بلکہ وہ ’’خود بھی ڈوبے اور ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے‘‘۔ اس کی حقیقی وجہ تو یہ ہے کہ یہ قرضے سود پر مبنی ہیں جن کی ہلاکت گویا پہلے ہی سے طے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَمْحَقُ اللهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (البقرہ:۲۷۶) ’’اللہ سود کو تباہ کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے‘‘۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ، فَإِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيرُ إِلَى قُلٍّ» (مسندِ احمد) سود کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کا آخری انجام قلت ہی ہے‘‘۔ یہ تو معنوی اور حقیقی وجہ تھی، مادی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرض کا آٹا نہیں کھایا بلکہ قرض کی مے پی ہے۔ یعنی ہم نے غیر ترقیاتی اور غیر پیداواری میدانوں میں روپیہ خرچ کیا۔ صنعت و زراعت جو ہماری آمدن کے حقیقی ذریعے تھے انھیں ہم ترقی نہ دے سکے۔ نتیجے کے طور پر ہماری برآمدات میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔ بطورِ مثال ہم صرف دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں: دونوں مٹی سے نکلنے والی ہیں، گندم اور لکڑی۔ ہم ہزاروں کنٹینر لکڑی اور لاکھوں ٹن گندم سالانہ باہر سے درآمد کر رہے ہیں۔ ہم اہم مصنوعات اور پیداواروں کی بات نہیں کر رہے، ادرک، لہسن، کینولا، سویابین وغیرہ جیسی عام اشیا جو کسی فیکٹری میں نہیں کھیت میں اگتی ہیں ہم دوسرے ملکوں سے منگوا رہے ہیں۔ زراعت اور صنعت میں ترقی نہ کر کے گویا ہم اپنے فقر اور اپنی غربت پر راضی ہیں جو دیگر مشکلات کے ساتھ ہماری ملی و قومی ذلت کا باعث بن رہی ہے، دیکھیں رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں سے کیسے پناہ مانگی: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ» (سنن ابی داوٗد) ’’اے اللہ! میں فقر، قلت اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں‘‘۔ اس فقر نے ہمیں کفرِ عملی

تک تو پہنچادیا۔ اللہ کے نبی ﷺ کی دعائیں دیکھیں: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ» (سنن ابی داؤد) ''اے اللہ! میں کفر سے اور فقر سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔ یا پھر وہ فرمانِ نبی دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا» (مشکاۃ) ''قریب ہے کہ غربت کفر تک پہنچادے''۔

اب حکومت کا حال تو بد حال ہے، فی الوقت ان سے اصلاح کی امید کم ہی کی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پہلا کام تو یہ کہ جیسے گزشتہ ماہ حضرت شیخ الاسلام صاحب مدظلہ نے بھی اپنے ٹوئیٹ میں فرمایا تھا، ہر رات خود بھی سورۃ الواقعہ پڑھیں اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کی تلقین کریں کیونکہ حدیث شریف میں ہے: «مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا». (رواه البيهقي في شعب الإيمان) ''جو شخص شب میں سورۃ الواقعہ پڑھتا ہے وہ کبھی بھی فاقے کی حالت کو نہیں پہنچتا''، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ہر شب میں یہ سورت پڑھا کریں۔ دوسری چیز استغفار ہے، اسے لازم پکڑیں اس لیے کہ یہ روزی میں برکت اور اضافے کا ذریعہ ہے۔ طلبِ مغفرت کے ساتھ طلبِ ہدایت کا اہتمام بھی کرنا چاہیے، اس کے علاوہ چند چیزیں اگر سب سے پہلے میں اور پھر ہم سب کرنا شروع کردیں تو بہتری لائی جاسکتی ہے۔ سب سے پہلے تو محنت کو اپنا شعار بنائیں۔ غیر ضروری اخراجات میں کمی لائیں۔ کھانے، پہننے اور استعمال کی وہ چیزیں جو بیرونِ ملک سے آتی ہیں ان کا استعمال ترک کردیں اور خود کچھ نہ کچھ بنانا یا اگانا شروع کر دیں ہر وہ چھوٹی سی چیز ہماری ترقی کی ضامن ہے جو یا تو ہماری برآمدات میں اضافہ کرے یا ہماری درآمدات میں کمی کرے۔

*****

مولانا محمد اقبال
رکن شعبہ تحقیق و تصنیف

عباد الرحمٰن کی ایک اہم خصوصیت: کبائر سے اجتناب

سورۃ الفرقان، آیت: ۶۸۔ ۷۱

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ، وَمَن يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا، يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا، إِلَّا مَن تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا، وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾

”اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ہاں مگر جو کوئی توبہ کر لے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ اور جو کوئی توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے، تو وہ در حقیقت اللہ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آتا ہے“۔

تفسیر و توضیح

سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں مومنین مخلصین کے اوصاف کا تذکرہ چل رہا ہے، ان اوصاف میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے اور یہاں مزید تین ان اوصافِ جلیلہ کا مطالعہ کیا جائے گا، جن کی بدولت اللہ تعالیٰ کے بندے عباد الرحمٰن کی صف

میں شامل ہوجاتے ہیں۔ البتہ ماقبل مذکور اوصاف اور ان اوصاف میں فرق یہ ہے کہ پہلے ذکر کیے گئے اوصاف ایجابی ہیں، یعنی ایسے ہیں جنھیں اپنی زندگی کا حصہ اور معمول بنانا مطلوب ہے اور ان اوصاف سے متّصف ہونے کی بدولت ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت میں دل آویزی اور محبوبیت پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ زیرِ مطالعہ اوصاف سلبی پہلو رکھتے ہیں، یعنی یہاں مذکور افعال واعمال سے اجتناب مطلوب ہے، اور چونکہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں، اس لیے اللہ کے نیک بندے ان سے اجتناب کرتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جن تین اوصاف کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰـهًا اٰخَرَ﴾ ’’اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے‘‘۔ یہ مطلوبہ اوصاف میں سے چھٹا وصف ہے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین جنھیں قرآنِ کریم نے رحمٰن کے بندوں کی طرف نسبت دے کر شرَف بخشا ہے، ان کی شان یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی عبادت میں اخلاص کے اس درجے پر فائز ہیں کہ ان کی عبادات وطاعات میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ان کے لیے بڑی فضیلت کی بات ہے۔ یہاں سورۃ الفرقان کی ان آیات میں عباد الرحمٰن کے کئی اوصاف مذکور ہیں، ان میں سے ایک وصف ’’عبدیت‘‘ ہے اور دلچسپ بات یہ ہے عباد الرحمن کو یہاں باقی اوصاف کے بجائے مذکورہ وصف سے موسوم کیا گیا ہے، اس لیے کہ ان کا خصوصی وصف یہ ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس عبادت میں ان کا اخلاص اتنا واضح ہے کہ انھیں باقی اوصاف کے مقابلے میں اس وصف سے موسوم کیا گیا۔ عبادالرحمٰن کے وصفِ عبادت کی مزید اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کے اثبات کے بعد اب غیر اللہ کی عبادت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾ اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک کتنا بہت بڑا گناہ اور توحید کی کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرک انسانی معاشرے کے لیے سب سے بڑا مرض ہے اور اس کی جتنی نفی کی جائے گی اتنا ہی توحید پر یقین پختہ ہوتا چلا جائے گا۔ علامہ زحیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الصفة السادسة البعد عن الشرك: وهو عبادة أحد مع الله أو عبادة غير الله، وهو أكبر الجرائم، لذا قال تعالى: ﴿إِنَّ اللهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ، وَيَغْفِرُ ما دُونَ

ذلِكَ لِمَنْ يَشاءُ﴾(سورۃالنساء،آیت:۴۸)(التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج،ج:۱۹،ص:۱۱۵)

”عباد الرحمٰن کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شرک سے دور رہتے ہیں جو کہ سب سے بڑا جرم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے“۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ شرک قبیح ترین گناہ ہے اور ہمارے دین میں سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک سے کم کسی بھی گناہ کو بغیر توبہ کے جب چاہے معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کی معافی نہیں، اس لیے کہ یہ نا قابلِ معافی جرم ہے، سوائے اس کے کہ شرک کا ارتکاب کرنے والا اپنے اس شنیع فعل سے سچے دل سے توبہ کرے۔

﴿وَلَا يَقتُلُونَ النَّفسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالحَقِّ﴾ ”اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے“۔ یہ عباد الرحمٰن کے اوصاف میں سے ساتواں وصف ہے، کہ یہ کسی انسانی جان کے قتل کا اقدام نہیں کرتے، سوائے استثنائی صورتوں کے، مثلاً؛ کسی حد میں یا قصاص میں۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قتلِ عمد ہے، اس لیے کہ اس سے پورے معاشرے کی بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ علامہ زحیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الصفة السابعة اجتناب القتل: وهو إزهاق النفس الإنسانية عمدا دون حق، وهو اعتداء على صنع الله، وإهدار لحق الحياة الذي هو أقدس حقوق الإنسان.(التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج،ج:۱۹،ص:۱۱۵)

”ساتویں صفت قتل سے اجتناب ہے؛ وہ عمداً کسی بے گناہ انسان کی جان لینا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے حق میں تجاوز ہے اور ایک ایسی زندگی کا حق ضائع کرنا ہے جو انسان کے بنیادی حقوق میں سب سے زیادہ مقدس ہے“۔

﴿وَلَا يَزنُونَ، وَمَن يَّفعَل ذٰلِکَ يَلقَ أَثَامًا﴾ ” اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا“۔ اسی طرح عباد الرحمٰن کے اوصاف میں سے ایک اہم وصف یہ ہے کہ زنا کے قریب بھی

نہیں جاتے، کیونکہ یہ ان عزتوں کا پامال کرنا ہے جو محترم قرار دی گئی ہیں، اور اسی طرح یہ فعل انساب کو خلط ملط کرنا اور فحش وفساد کی اشاعت کا سبب بنتا ہے۔ علامہ زحیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الصفة الثامنة اجتناب الزنى: وهو انتهاك حرمة العرض، وهو جريمة خطيرة تؤدي إلى اختلاط الأنساب، وإشاعة الأمراض، وهدم الحقوق، وإثارة العداوات والأحقاد والبغضاء.(التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج،ج:١٩،ص:١١٦) ”عباد الرحمٰن کی آٹھویں صفت ہے زنا سے اجتناب۔ زنا؛ عزت وآبرو کی پامالی ہے جو ایک بڑا جرم ہے اور یہ انساب کے اختلاط، امراض کے پھیلانے، حقوق کے ضائع کرنے اور آپس میں عداوت، کینہ، نفرت جیسے شنیع افعال کے در آنے کا سبب بنتا ہے۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: يا رسولَ الله، أيُّ الذنبِ أعظمُ؟ قال: «أن تجعَلَ للهِ نِدّاً وهو خَلَقَكَ» قال: قلتُ: ثم أيٌّ؟ قال: «أن تَقْتُلَ ولَدَكَ خشية أن يأكلَ معك» قال: قلت: ثم أيٌّ؟ قال: «أن تُزَانَي حَليلةَ جَارِك» قال: وأنزلَ الله تعالى تصديقَ قولِ النبي ﷺ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾ (سنن ابی داؤد، حدیث: ٢٣١٠) ”یا رسول اللہ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم اپنے بچے کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے کہا پھر اس کے بعد؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے قول کی تصدیق کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ الخ“۔ لہذا یہ ایسے عظیم جرائم ہیں کہ ان کے مرتکبین کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے آخرت میں اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور آگے فرمایا: ﴿يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا﴾ ”قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا“۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان گناہوں کی وجہ سے ایسے مجرم (اگر وہ کافر ہو کر مرے) کا عذاب دگنا کرے گا، اور اس عذاب میں وہ

ذلیل ہوکر رہمیشہ کے لیے رہے گا۔ البتہ اگر وہ مسلمان ہوتو جرم کے بقدر سزا پانے کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا، کیونکہ مومنین عذاب میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ، وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا، وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾ "ہاں مگر جو کوئی توبہ کرلے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ اور جو کوئی توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے، تو وہ در حقیقت اللہ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آتا ہے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص ان گناہوں کا مرتکب ہو جائے اور اس کے بعد وہ توبہ تائب ہوکر کفر، شرک اور ہر قسم کے نفاق، شک وشبہے سے پاک ہوکر کامل مومن بن جائے اور اپنے ایمان کو عمل صالح سے آراستہ کرے، معروف اختیار کرے، منہیات سے اپنے آپ کو روکے، نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت سے اسے پاک صاف کرکے ان کے سیئات کو حسنات سے بدل دے گا۔ اس لیے کہ انابت الی اللہ کی برکت سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور طاعات وعبادات ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ گناہوں کا نیکیوں میں بدلنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والے کے اندر سے سیئات کا ملکہ ختم کرکے اس کی جگہ حسنات کا ملکہ پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب ہر قسم کے سرکش کافر، گناہ گار بندے اپنے سابقہ معاصی پر نادم ہوکر توبہ کریں اور اپنے آپ کو ایمان اور عمل صالح سے آراستہ کریں، تو اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت کی بدولت ان پر فضل فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو حسنات میں بدل دیتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عباد الرحمٰن جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں وہاں ان کی یہ خصوصیت بھی کہ جن اعمال و افعال سے اللہ تعالیٰ نے منع کردیا ہے ان سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عباد الرحمن کی صف میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

* * * * *

ابنِ عباس
معاون قلم کار

تدفین سے فراغت پر دعا کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ، إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: «اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ» (سنن ابی داؤد)

''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو قبر پر کھڑے رہتے اور فرماتے: اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے (منکر و نکیر کے سوالات کے سامنے) ثبات اور دلجمعی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے پوچھا جا رہا ہے''۔

اس روایت میں نبی اکرم ﷺ کا اپنا عمل بھی سامنے آ گیا کہ آپ ﷺ میت کے دفن کے بعد قبر پر کچھ دیر کھڑے رہتے اور آپ ﷺ کا قول مبارک بھی سامنے آ گیا کہ آپ ﷺ اس عمل کی ترغیب دوسروں کو بھی دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا خود دعا کرنا البتہ اس روایت میں مذکور نہیں ہے لیکن سیاق و سباق سے آپ کا دعا کرنا معلوم ہو رہا ہے کہ جب آپ خود کھڑے رہتے اور دوسروں کو دعا کی تلقین کرتے تو آپ ﷺ کے کھڑے رہنے کی وجہ دعا کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتی اور آپ یقینی طور پر میت کے لیے دعا فرماتے تھے۔ روایت کے سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعا تدفین کے بعد کی ہے۔ محدثین کا کسی حدیث پر عنوان لگانا اس حدیث کے فہم کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد اس حدیث پر یہ عنوان لگاتے ہیں: بَابُ الِاسْتِغْفَارِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِلْمَيِّتِ فِي وَقْتِ الِانْصِرَافِ ''میت کی قبر کے پاس دعائے مغفرت کرنا واپسی کے وقت''۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ریاض الصالحین میں اس روایت پر یہ عنوان لگایا ہے: باب الدعاء للميت

بعد دفنه والقعود عند قبره ساعة للدعاء لهُ والاستغفار والقراءة ''دفن کے بعد میت کے لیے دعاکرنااوراس کی قبر کے پاس کچھ دیر کے لیے بیٹھنا اور اس کے لیے دعاو استغفار اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا''۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: فِيهِ مَشْرُوعِيَّةُ الِاسْتِغْفَارِ لِلْمَيِّتِ عِنْدَ الْفَرَاغِ مِنْ دَفْنِهِ وَسُؤَالِ التَّثْبِيتِ لَهُ لِأَنَّهُ يُسْأَلُ فِي تِلْكَ الْحَالِ وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى ثُبُوتِ حَيَاةِ الْقَبْرِ وَقَدْ وَرَدَتْ بِذَلِكَ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ بَلَغَتْ حَدَّ التَّوَاتُرِ وَفِيهِ أَيْضًا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَيِّتَ يُسْأَلُ فِي قَبْرِهِ وَقَدْ وَرَدَتْ بِهِ أَيْضًا أَحَادِيثُ صَحِيحَةٌ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا. (نيل الأوطار للشوكاني) ''اس روایت میں میت کے دفن سے فراغت پر اس کے لیے بخشش اور استقامت کی دعا کی مشروعیت پائی جاتی ہے اس لیے کہ اس وقت اس سے پوچھا جارہا ہوتا ہے اور اس حدیث میں حیاتِ قبر کی دلیل ہے اور اس بابت کثیر روایات منقول ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ قبر میں میت سے سوال کیے جاتے ہیں جیسا کہ مسلم و بخاری اور دوسرے ائمہ کے ہاں اس بابت صحیح احادیث پائی جاتی ہیں''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بہ وقت انتقال اپنے صاحبزادوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي. (صحيح مسلم) ''پس جب تم مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر کچھ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے ہونا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے یہاں تک کہ میں تمھارے ذریعے سے انس حاصل کروں اور دیکھوں کہ میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوالات کا کیسا جواب دیتا ہوں''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو تسکین اور انسیت کی بات کی تو اگرچہ علما نے لکھا ہے کہ قبر کے باہر انسانوں کی موجودگی بھی میت کے لیے باعثِ تسکین ہوتی ہے۔ (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین) لیکن ان الفاظ سے دعا کے جواز پر بھی استدلال کیا گیا ہے چنانچہ علامہ مبارکپوری مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں لکھتے ہیں: حتی أستأنس بكم

أي بدعائكم واستغفاركم وسؤالكم التثبيت. ”میں تمھارے ذریعے انس حاصل کروں یعنی تمھاری نیک دعاؤں، استغفار اور ثبات کے لیے مانگی گئی دعا کے ذریعے سکون محسوس کروں“۔ بعض علما نے ان الفاظ سے بعد از دفن تلاوتِ قرآن کے جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔ فتح المنعم شرح صحیح مسلم میں ہے: وأخذ بعضهم منه القراءة على القبر لأنه إذا استأنس بهم فبالقرآن أولى. ”بعض علما نے ان الفاظ سے قبر پر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے کا جواز اخذ کیا ہے اس لیے کہ جب میت قبر کے باہر انسانوں کی موجودگی سے سکون پاتی ہے تو تلاوت قرآن سے تو اسے بدرجۂ اولیٰ تسکین حاصل ہوگی“۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل

ابنِ ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قَبْرِ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ فَقَامَ النَّاسُ عَنْهُ قَامَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَقَفَ عَلَيْهِ وَدَعَا لَهُ. ”میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب آپ عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کی قبر سے فارغ ہوئے تو (قریب بیٹھے ہوئے) لوگ قبر کے پاس سے کھڑے ہوگئے، حضرت عبد اللہ بن عباس بھی اٹھے اور پھر قبر کے پاس کھڑے رہے اور میت کے لیے دعا کرتے رہے“۔(السنن الكبرى للبيهقي باب ما يقال بعد الدفن)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

كانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِذَا سَوَّى عَلَى الْمَيِّتِ قَبْرَهُ قَامَ عَلَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ عَبْدُكَ رُدَّ إِلَيْكَ فَارْأَفْ بِهِ وَارْحَمْهُ، اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَافْتَحْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ لِرُوحِهِ، وَتَقَبَّلْهُ مِنْكَ بِقَبُولٍ حَسَنٍ، اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَضَاعِفْ لَهُ فِي إِحْسَانِهِ، أَوْ قَالَ: فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ.(الدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ بَعْدَمَا يُدْفَنُ وَيُسَوَّى عَلَيْهِ الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار أبو بكر بن أبي شيبة) ”جب قبر برابر کر دی جاتی (یعنی مٹی ڈال دی جاتی) تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور یوں دعا

کرتے: اے اللہ! یہ تیرا بندہ تیری طرف لوٹا دیا گیا تو اس پر شفقت و رحمت فرما۔ اے اللہ! زمین اس کے دونوں پہلوؤں سے کشادہ کر دے اور اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے اور اس کی نیکیوں کو اچھی طرح قبول فرما۔ اے اللہ! اگر یہ نیک ہے تو اس کی نیکی کے اجر و ثواب کو دگنا کر دے اور اگر یہ گناہ گار ہے تو اس کے گناہ معاف فرما دے"۔ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا دَفَنَ ابْنًا لَهُ فَقَالَ: اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَافْتَحْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ لِرُوحِهِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ. (مجمع الزوائد و قال الهيثمي رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ) "حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کو دفن کیا اور اس کے بعد یوں دعا کی اے اللہ! اس پر قبر کو وسیع کر دے اور اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے اور اس کو یہاں کے گھر سے بہتر گھر عطا کر دے"۔

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

عَنْ خَالِدِ بْنِ سُمَيْرٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ الْأَحْنَفِ فِي جِنَازَةٍ فَجَلَسَ الْأَحْنَفُ، وَجَلَسْتُ مَعَهُ فَلَمَّا فُرِغَ مِنْ دَفْنِهَا، وَهُوَ ضِرَارُ بْنُ الْقَعْقَاعِ التَّمِيمِيُّ رَأَيْتُ الْأَحْنَفَ انْتَهَى إِلَى قَبْرِهِ، فَقَامَ عَلَيْهِ فَبَدَأَ بِالثَّنَاءِ عَلَيْهِ قَبْلَ الدُّعَاءِ فَقَالَ: كُنْتَ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ كَذَا ثُمَّ دَعَا لَهُ. (مصنف ابن ابی شیبة) "حضرت خالد بن سمیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھا۔ احنف ایک جگہ بیٹھ گئے تو میں بھی بیٹھ گیا۔ جب لوگ میت کی تدفین سے فارغ ہو چکے اور وہ میت حضرت ضرار بن القعقاع کی تھی، تب میں نے احنف کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے اور قبر کے پاس پہنچے تو دعا کرنے سے پہلے انھوں نے حضرت ضرار کی تعریف شروع کی اور کہا کہ آپ ایسے تھے اور اتنے اچھے تھے وغیرہ پھر اس کے بعد ان کے لیے دعا کی"۔

حضرت حکم بن حارث السلمی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

عَنْ عَطِيَّةَ الرَّعَّاءِ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ الْحَارِثِ السُّلَمِيِّ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ غَزَوَاتٍ، قَالَ:

قَالَ لَنَا: إِذَا دَفَنْتُمُونِي ورَشَشْتُمْ عَلَى قَبْرِي الْمَاءَ، فَقُومُوا عَلَى قَبْرِي وَاسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَادْعُوا لِي . (المعجم الكبير) ”حضرت عطیہ الرّعّاء رحمہ اللہ، حضرت حکم بن حارث السلمی رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین غزوؤں میں حصہ لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے ہم سے کہا جب تم مجھے دفن کر چکو اور میری قبر کی مٹی پر پانی کا چھڑکاؤ کر چکو تو میری قبر پر کھڑے رہو اور (بہتر ہے) کہ تم قبلہ رخ ہو جاؤ اور پھر میرے لیے دعا کرنا“۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: حَضَرْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي جِنَازَةٍ، فَلَمَّا وَضَعَهَا فِي اللَّحْدِ، قَالَ:بِسْمِ اللهِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ، وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ، فَلَمَّا أُخِذَ فِي تَسْوِيَةِ اللَّبِنِ عَلَى اللَّحْدِ قَالَ:اللَّهُمَّ أَجِرْهَا مِنَ الشَّيْطَانِ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهَا، وَصَعِّدْ رُوحَهَا، وَلَقِّهَا مِنْكَ رِضْوَانًا، قُلْتُ: يَا ابْنَ عُمَرَ! أَشَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، أَمْ قُلْتَهُ بِرَأْيِكَ؟ قَالَ:إِنِّي إِذًا لَقَادِرٌ عَلَى الْقَوْلِ، بَلْ شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسولِ اللهِ ﷺ. (سنن ابنِ ماجہ) ”حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک ہوا جب میت لحد میں اتاری گئی تو انھوں نے بِسْمِ اللهِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ. پڑھا پھر جب لحد کو بند کر کے برابر کر دیا گیا تو انھوں نے یوں دعا کی ”اے اللہ! اسے شیطان سے بچا اور اسے عذابِ قبر سے بچا اور اس کے پہلوؤں کی طرف سے زمین کو وسیع کر دے اور اس کی روح کو بلند کر دے اور اس سے راضی ہو جا“ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن عمر سے پوچھا کیا آپ نے اس بابت کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا یا آپ یہ اپنے رائے سے کہہ رہے ہیں اس پر انھوں نے کہا اگر میں اپنی رائے سے ایسا کہوں تو پھر تو میں اختراع کرنے والا ہوں۔ نہیں بلکہ میں نے اس بارے میں کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا ہے“۔

فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا موقف

فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مندرجہ بالا روایات و آثار کے پیشِ نظر دفن کے بعد قبر پر رکنا اور میت کے لیے دعا اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا استحباب نقل کیا ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب میں ہے: وَيُسْتَحَبُّ حَثْيُهُ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ ثَلَاثًا وَجُلُوسُ سَاعَةٍ بَعْدَ دَفْنِهِ لِدُعَاءٍ وَقِرَاءَةٍ بِقَدْرِ مَا يُنْحَرُ الْجَزُورُ وَيُفَرَّقُ لَحْمُهُ. (الدر المختار شرح تنوير الأبصار) "قبر پر سر کی طرف سے تین لپ مٹی ڈالنا مستحب ہے اور اسی طرح دفن کے بعد کچھ اتنی دیر میت کی قبر پر رکنا اور اس کے لیے دعا اور تلاوت کرنا کہ جس میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے بھی مستحب ہے"۔ جدید فقہی مصدر الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے: صَرَّحَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ بِأَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْلِسَ الْمُشَيِّعُونَ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ دَفْنِهِ لِدُعَاءٍ وَقِرَاءَةٍ بِقَدْرِ مَا يُنْحَرُ الْجَزُورُ، وَيُفَرَّقُ لَحْمُهُ. "جمہور فقہا نے صراحت سے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے والے لوگوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے کی دیر اس کی قبر کے پاس بیٹھیں اور اس کے لیے دعا اور قرات قرآن کا اہتمام کریں"۔

مندرجہ بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ تدفین کے بعد کچھ دیر قبر پر کھڑے رہنا اور میت کے لیے منکر نکیر کے سوالات کے جوابات میں ثبات و تثبیت اور دعاے بخشش کرنا ایک مستحب عمل ہے جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے اور بعض لوگوں کی طرف سے اسے بدعت قرار دینا درست طرزِ عمل نہیں ہے۔

*****

گفتگو: ڈاکٹر محمد رشید ارشد

ٹرانسکرپشن: دانیال بن شفیق

جامعہ بحریہ کے اساتذہ سے گفتگو

قسط نمبر ۳

شعبۂ اسلامی علوم، جامعہ بحریہ، کراچی، کے اساتذہ سے گفتگو، جسے ضبط و ترتیب کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

سوال: چلیں یہ تو اچھی بات ہے کہ مدارس جدید علوم کی طرف بھی متوجہ ہوئے ہیں لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اِس وقت جدید علوم کے نام پر مدارس میں جو تبدیلیاں آرہی ہیں، وہ اِس حوالے سے صحیح رخ پر ہیں یا نہیں ؟

ڈاکٹر رشید ارشد صاحب: زیادہ تر ہمارے ہاں ہر پھر کے بات کیا ہوتی ہے کہ طلبہ کو انگریزی یا کمپیوٹر وغیرہ سکھایا جائے، اس سے وہ مطلوب تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ سب تو ریاست چاہتی ہے اور اس سے تو آپ بالکل ہی اُن کے ٹریپ میں آجائیں گے۔ بھئی اُن کی فکری بنیادوں کو سمجھیں! جدید ادارے کیا ہوتے ہیں؟ ریاست کیا ہوتی ہے؟ مثال کے طور پر جو لوگ جدید ریاست کو جانتے ہیں، وہ اِس پر ہنستے ہیں، جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ریاستِ مدینہ، اُن کی ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں بہت مشہور شاعر ہیں، اُن کی ایک وڈیو بہت وائرل ہوئی، اُنھوں نے کہا کہ ریاستِ مدینہ کون سی ریاست تھی؟ ایک primitive ریاست تھی ریاستِ مدینہ، اُس میں کوئی اسکول تھا؟ کوئی اَسپتال تھے؟ ریاست بالکل ایک نئی چیز ہے اور وہ جو ایک Wael Hallaq ایک بہت مشہور عرب امریکی مفکر ہے، اُس کی کتاب کا نام ہی یہ تھا The Impossible State، اسلامی ریاست میری ناقص رائے میں ایک oxymoron ہے، ایک متناقض اصطلاح ہے، میری ناقص رائے میں تو اسلامک اکنامکس بھی ایک oxymoron ہے یعنی لفظ ''اکنامکس'' ایک ایسی علمیت سے پھوٹا ہے جو بالکل ایک الگ

چیز ہے، اب ہمارے ہاں لوگ کیا کرتے ہیں؟ تاریخی حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی ایک sociologist تھے یا وہ جناب economist تھے یا ابنِ خلدون یہ تھے اور وہ تھے۔ یہ خلطِ مبحث ہے۔ "سوشیالوجی" یا "اکنامکس" ایک اصطلاح ہے، اس کے اپنے لوازمات ہیں، اس کا ترجمہ علمِ معاشرت یا علمِ معیشت سے کر دینا ٹھیک نہیں۔ یہ جدید علوم پیدا ہی ۱۵۰ سال پہلے ہوئے ہیں۔ یہ capitalism سے پیدا ہوئے ہیں تو یہ جو چیزیں ہیں، میرا خیال ہے، اِن کا شعور بڑھنا چاہیے، کہ ریاست کسے کہتے ہیں؟ جدید ریاست کیا ہوتی ہے؟ میڈیا کیا ہوتا ہے؟ human rights کیا ہوتے ہیں؟ ہمارے ہاں تو چونکہ احساسِ کمتری ہے نا، ہر چیز کو اسلامیانے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، ہم لوگوں نے ایک تصور بنا لیا، جو چیز وہاں ایجاد ہوئی، ہم قرآن حدیث کھول کے اُس کو اپنا بنا لیتے ہیں، اِس میں یہ تھا، اِس میں پہلے سے تھا، پہلی دفعہ فلاں نے ایجاد کیا تھا وغیرہ۔ یعنی کہ خطبہ حجۃ الوداع کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ human rights کا پہلا charter تھا، یہ تو اِس قدر لاعلمی اور سادگی ہے کہ بس کیا کہیے؟ نہ آپ کو یہ پتا ہے کہ یہاں human کا کیا مطلب ہے؟ نہ آپ right کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ Michel Foucault کہتا ہے کہ یہ جو human ہے، یہ تو ۲۰۰ سال پہلے پیدا ہوا، حقوق کا پورا تصور ابھی ۱۰۰ سال پرانا ہے۔ ہمارے ہاں ایک عام گفتگو کیا ہوتی ہے؟ اسلام میں عورتوں کے حقوق، یہ گفتگو ہمیں کیوں کرنی پڑ رہی ہے؟ مطلب ہمارے ہاں تو ذمے داریاں ہوتی ہیں پھر مردوں کے حقوق کیوں نہیں ہیں؟ اور ہمارے ہاں عورت اور مرد کوئی ایک identity تو نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو ساری گفتگو ہو گی ماں، بہن، بیوی، بیٹی کی نسبت سے، رشتوں کے تعلق سے ہو گی، عورت کوئی abstraction تو نہیں ہے نا۔ لیکن ہم اُس ٹریپ میں آجاتے ہیں، ہم بھی وہی گفتگو کرنے لگتے ہیں اور ایک apologetic انداز نظر آنے لگتا ہے۔ تو اِس کی ضرورت ہے کہ ہم اچھی طرح یہ سمجھیں کہ اہلِ مغرب کے ہاں human rights کا کیا مطلب ہے؟ civil society کسے کہتے ہیں؟ اِس کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور پھر democracy کا کیا مطلب ہے؟ تو اِس پر گفتگو کراچی میں تو خیر بہت سے لوگ ہیں، جنھوں نے کی ہے، مدارس میں بھی کی گئی ہے اور بہر حال اُس کا influence بھی ہے آہستہ آہستہ نظر آئے گا لیکن بات آپ کی ٹھیک ہے کہ اُس میں ہم ابھی کافی پیچھے ہیں۔

سوال: سر ایک معاملہ یہ بھی ہے نا کہ مدارس نے نصاب بھی بہت کم کر دیا، جیسے مدارس کے اندر مفتیانِ کرام پوری کتاب

پڑھاتے تھے، اب وہ دو، تین ابواب بھی بروقت بہت مشکل سے پڑھاتے ہیں، فارسی بھی نکال دی، اور بہت کچھ کر دیا ہے۔اسی طرح ایک اور مسئلہ جو ہمیں نظر آرہا ہے وہ ہے مایوسی، ہر اسٹیج، ہر طبقے کے اندر بہت زیادہ مایوسی نظر آرہی ہے، شاید پچھلے ستر سال سے ہمارے جو حالات ہیں، وہ اِس طرح کے رہے ہیں۔ تو جہاں جہاں پر بھی طلبہ کے اندر یا لوگوں سے جو میل جول ہے، تو بذاتِ خود میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں، مایوسی بہت زیادہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی چیز شاید rightly نہیں ہو رہی، جس کی وجہ سے ہم پر اُس کے اثرات بہت زیادہ ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر رشید ارشد صاحب: ہاں دیکھیں مایوسی تو ظاہر بات ہے، اور سب سے بڑی disappointment جو ہے، وہ پالیٹکس میں ہے نا، وہ تو ملکی حالات کے حوالے سے یہ صورت حال ہو گئی۔ اس مایوسی اور ناکامی یا زوال کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ تصور ذہن نشین کرنا چاہیے کہ یہ ایک آزمائش ہے اور میں تو اپنے آپ کو جیسے کچھ کوشش کرتا ہوں مطمئن کرنے کی، مجھے ایسے لگتا ہے کہ یہ غربتِ اسلام کا زمانہ ہے، آزمائشوں کا دور ہے۔ ایک غلط تصور ہمیں دے دیا گیا اور یہ کہہ کر کہ الإسلام صالح لکل زمان و مکان، یعنی اسلام ہر دور اور ہر جگہ کے لیے ساز گار ہے۔ اِس کا بالکل غلط مطلب بتایا جاتا ہے کہ اسلام گویا ہر دور کے تقاضوں کے ساتھ compatible بنایا جاسکتا ہے، یہ بات غلط ہے، یہ بالکل واضح اور دوٹوک بات ہے کہ موجودہ دور کے ساتھ، موجودہ علمیت کے ساتھ، موجودہ تہذیب کے ساتھ اسلام compatible نہیں ہے، آپ اسلام کو آج کی اس مادی علمیت اور مادی تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا غم چھوڑ دیں، بات ختم۔ یہ جو تصور ہے ہمارا کہ ہم نے کسی نہ کسی طریقے سے زور زبردستی کر کے اسلام کو فِٹ کرنا ہے اِس سارے سسٹم میں۔ بھائی مسئلہ تو جدید دنیا نے پیدا کیا ہے نا، اب آپ مولوی صاحب کو کہتے ہیں اِس کا حل کریں اسلام میں، یہ تو نہیں ہو گا، یہ کیسا انصاف ہے۔ ہم تو یہ کہیں گے کہ یہ مسئلہ غلط ہے، یہ نظریہ غلط ہے، یہ جگہ غلط ہے، یہاں سے اِس کو پکڑو، اِس کو یہاں سے دیکھو، اسلام کیوں اس کا حل پیش کرے۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں نا کہ چونکہ ہماری ایک eschatology بھی ہے، ایک علمِ آخر الزمان ہے۔ ہمارا ایک ماضی ہے اور بہت درخشندہ ہے، ایک ہمارا مستقبل کا تصور ہے جو بہت ظاہری بات ہے کہ چمک دمک والا ہے۔ ایک messianic concept ہے ہمارا، مہدی کا بھی اور غلبے کا بھی، اِس وجہ سے بھی ہم شاید زیادہ depressed ہیں ورنہ

ہم سوچ لیں کہ بھئی مکے میں تولوگ دنیا سے چلے گئے تھے نا، انھوں نے توعروج نہیں دیکھا۔ سیدنا مسیح کے سارے پیرو کار کیا فتح دیکھ سکے؟ سیدنا مسیح خود کیسے رہے دنیا میں؟ آپ دیکھیں نا، انبیا کی اکثریت کی بات لوگوں نے نہیں مانی، سورۂ یٰس میں ہے نا: ﴿يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴿٣٠﴾﴾ مجھے لگتا ہے کہ صبر کا مطلب استقامت ہے، ہم اپنے آئیڈیلز پر کھڑے رہیں، compromise نہ کریں تو بس کامیاب ہیں، باقی کوئی چیز منوالینا اور کروا لینا، یہ ہمارے بس میں بھی نہیں اور ہمارے لیے ضروری بھی نہیں ہے۔ ہم پر شاید غلبے کی نفسیات بہت زیادہ آگئی ہے کہ جی ہم غالب تھے، اب ہمیں دوبارہ کسی نہ کسی طریقے سے غالب ہونا ہے، ہو سکتا ہے مزید چار سو سال ابھی آپ مار ہی کھاتے رہیں، اُس کے بعد کوئی تبدیلی آئے۔ تو جو آپ بات کر رہے ہیں نا مایوسی کی، موجودہ حالات کو دیکھ کر میں کبھی تسلیم نہ کرتا کہ اسلام آئندہ کبھی غالب ہو کر رہے گا، اور اِس حالت سے نکل کر ہم عروج تک جا سکتے ہیں، اگر احادیثِ مبارکہ میں اس کی پیش گوئی نہ کی گئی ہوتی۔ اور پھر غلبۂ اسلام کی روایات پڑھیں تو لگتا ہے کہ وہ divine intervention ہے اور اس میں بہت کچھ معجزات اور قدرتی عوامل کو دخل ہے۔ یہ بات آپ کی ٹھیک ہے کہ ہم بہت زیادہ مایوس ہو جاتے ہیں لیکن یہ ہمیں سمجھنا چاہیے کے حالات کو بدل دینا ہماری ذمے داری نہیں۔ ہم اس فکر کو چھوڑ دیں کہ ہم نے اسلام کی کشتی پار لگانی ہے، خود کو اور اردگرد کے لوگوں کو ان جدید فتنوں سے بچا لیں تو بہت ہے۔

سوال: سر یہ ایک مسئلہ ہمیں درپیش ہوتا ہے کہ ہم جب مقالہ لکھتے ہیں تو ہمیں بہت سی چیزوں کو اسلام کا حصہ بنانا پڑتا ہے اور اسلام کے ساتھ ان کی مطابقت ثابت کرنی پڑتی ہے ورنہ تھیسس ایکسیپٹ نہیں ہوتا، اسی طرح بچوں کی تحریروں میں بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے، تو اس کا کیا حل ہے کہ ہم دورِ حاضر کی چیزوں کو اسلام سے مطابقت میں دکھائیں اور بات غلط بھی نہ ہو؟

ڈاکٹر رشید ارشد صاحب: دیکھیں مسئلہ تو یہ ہے نا کہ ہمارے پاس اپنا کوئی معیار ہے ہی نہیں۔ ۲۰۰۱ء میں مشرف صاحب کے آنے کے بعد ایچ ای سی بنی تھی اور میرا خیال ہے اِس ملک میں تعلیم کا جو کچھ شعور تھا، اُس کا جو سب سے بڑا قاتل ہے، اُس کا نام ہے ڈاکٹر عطاء الرحمان۔ یعنی جو ایک دوڑ لگائی ہے ڈگریوں کی اور جعلی قسم کے ریسرچ پیپرز کی، کچھ بھی نہیں ہے وہ، سب دجل اور ڈھکوسلا ہے ہم سب کو پتا ہے کہ ہم کچرا لکھ رہے ہیں، کچرا چھاپ رہے ہیں۔ ہمارے ایک دوست کہتے تھے

کہ جو ہم آرٹیکلز لکھتے ہیں جرنلز میں، وہ شاید پہلی اور آخری مرتبہ researcher ہی پڑھتا ہے۔ اچھا اور ہم وہ جو ٹریل بناتے ہیں، consortium بنے ہوئے ہیں پانچ، پانچ، چھے، چھے بندوں کے، اُن کو تو پتا بھی نہیں ہوتا کہ اِس کا عنوان کیا ہے؟ کوئی ایک غریب بے چارہ "کھوتا" بنا ہوا ہوتا ہے، باقی پانچ لوگوں کے نام تبرکاً اُس میں آجاتے ہیں۔ ایسا کام ہو رہا ہے کہ آدمی کو اپنے اوپر گھن آنے لگتی ہے، ہم کیا گھٹیا کام کر رہے ہیں۔ اور چار پیسے کے لیے کرتے ہیں نا، بھئی پہلے کے علما نے یا کسی محقق نے کچھ لکھنا ہوتا تھا تو کیوں لکھنا ہوتا تھا یہ سوال اہم ہے۔ میرے اندر کوئی اپج ہے، کوئی مجھے خیال آیا ہے تو میں لکھوں گا نا۔۔۔ مطلب اسلامک اسٹڈیز میں تحقیق کا مطلب کیا ہے؟ ہمارے علما جنھوں نے واقعی کوئی علمی کام کیا ہے مطلب امام ابو حنیفہ سے لے کر مفتی شفیع صاحب تک، اُنھوں نے کیا کوئی کتاب لکھنے کے لیے کتاب لکھی تھی؟ وہ ایک ضرورت تھی، اس لیے اُنھوں نے کیا اور وہ بھی ایسے ہی جبراً گیا اور اُس کو بھی پھیلانے کی طرف اُن کا کوئی رجحان نہیں تھا، امام شافعی تو کہتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ میری باتوں سے لوگ فائدہ اٹھالیں اور میرا نام سامنے نہ آئے۔ اب تو کچھ اور ہی کھیل ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تو ہمیں جبر میں ڈال دیا گیا ہے اور اِس تحقیق کو، جس کو ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کہتے تھے کہ یہ "مکینکل ریسرچ" ہے، اُس کا خاص طرح کا پروٹوکول ہے۔ اور اُس کی خاص طرح کی چیزیں پوری کرنی ہوتی ہیں تو اب فلسفے میں تحقیق کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ فلسفے میں تو کسی آدمی کے پاس کوئی تھیوری ہے یا کوئی بات کرنی ہے اُس نے۔ ورنہ ہماری ریسرچ جو بھی ہوگی، وہ ریسرچ دراصل literature review type کوئی چیز ہوگی، کوئی تحقیقی فن پارہ نہیں ہوگا۔ ہم جامعہ کراچی میں پی ایچ ڈی کے لیے آئے تو ہم سے بھی بالکل وہی جو physical sciences کا منہج تھا، وہ social sciences پر آپ نے ٹھونس دیا۔ یہاں بھی سوال ہوتا ہے کہ آپ کا hypothesis کیا ہے؟ کس قدر احمقانہ بات ہے فلسفے میں یہ پوچھنا۔ اور یہ سوال کہ آپ اُس کو کیسے test کریں گے؟ کیسے verify کریں گے؟ تو جدید تعلیم تو ایک imperial project ہے، عام زندگی میں جتنے زیادہ جو واقعی پڑھے لکھے لوگ ہم نے اگر دیکھیں ہوں گے، اُن میں سے اکثر وہ ہوتے ہیں کہ جو اُس academic line کے نہیں ہوتے۔

سوال: اِس میں بہتری آپ کے تجربات کے مطابق کیسے لائی جاسکتی ہے؟ اس جبر میں کیا ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر رشید ارشد صاحب: بہتری تو مجھے پتا نہیں کیسے لائی جا سکتی ہے۔ بس یہی ہے کہ اُس کے اندر کچھ محنت کروائی جائے طلبہ سے، کچھ چیزیں زیادہ اُن سے پڑھوائی جائیں زور زبردستی کر کے لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ سسٹم کا جبر ہے، کوئی واقعی اچھوتا خیال، کوئی بڑی نادر بات کرنا بہت مشکل ہے۔ میری ملازمت ہوئی تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا ایک جرنل تھا، میں ایک مقالہ لکھ کر لے گیا۔ چھے، سات صفحے کا تھا۔ اس میں کوئی بات حوالے والی نہیں تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس میں حوالے کدھر ہیں؟ پھر زور زبردستی کر کے quotations ڈال کے آٹھ، دس حوالے بنائے تا کہ وہ چھپنے کے قابل ہو سکے۔ تو اب کھیل ہی سارا یہ ہے کہ آپ نے اُس کے end notes کیسے کرنے ہیں؟ وہ شکاگو کا فارمیٹ ہے یا فلاں فارمیٹ۔ تو بس یہ کیا جا سکتا ہے کہ طلبہ کو کوئی ایسی چیز دی جائے کہ کچھ کتابیں وہ پڑھ لیں زور زبردستی، ورنہ شاید اِس کے بغیر تو وہ کچھ نہ پڑھیں۔ جس طرح آپ کو پتا ہے کہ یونیورسٹی کے بچے بھی ٹیکسٹ بُک کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتے، بدقسمتی سے دینی مدارس کے طلبہ کی اکثریت بھی نصاب کے سوا کچھ نہیں پڑھتی، تو شوق ہی نہیں رہا پڑھنے کا۔ آپ اگر بچوں سے مطالعہ کروالیں اور مطالعے کا ذوق پیدا کر دیں تو یہ بھی کامیابی ہے۔

*****

مولانا حماد احمد ترک

نائب مدیر، ماہنامہ مفاہیم، کراچی

جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

قسط نمبر ۳

مراد خان ثانی (۱۴۰۴۔۱۴۵۱)

مراد خان بحر اسود سے متّصل شہر اماسیا میں پیدا ہوئے۔ ادرنہ، بورصا، اور اماسیا کے شیوخ سے علم حاصل کیا۔ انھیں خداداد قابلیت کی بدولت ۱۴۱۵ء میں پہلی دفعہ سرکاری ذمے داری دی گئی۔ کم سنی سے ہی شعر و شاعری کا عمدہ ذوق تھا۔ ۱۴۲۱ء میں اپنے والد محمد خان چلبی کی وفات پر بورصا واپس آکر تخت سنبھالا۔ اس وقت مراد خان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ سلطان مراد خان کے تخت نشین ہوتے ہی بازنطینیوں نے سازشیں شروع کردیں، مصطفیٰ نامی شخص جو خلافت کا دعوے دار تھا اور اس سے قبل سلطان محمد خان چلبی سے بھی شکست کھا چکا تھا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کی تحریک پر دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک لشکر ترتیب دیا اور رومیلی پر قابض ہوگیا۔ پہلے مقابلے میں عثمانی افواج مصطفیٰ سے شکست کھا گئیں۔ اس فتح سے حوصلہ پاکر مصطفیٰ نے بورصا پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی اور لشکر لے کر روانہ ہوا، لیکن شکست کھائی اور قتل کردیا گیا۔

سلطان مراد خان ثانی شہنشاہ قسطنطنیہ کی اس بدعہدی سے بہت غضبناک ہوا اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ عثمانیوں نے دوران محاصرہ ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن بازنطینی قوت کے آگے ان کی پیش نہ گئی۔ قسطنطنیہ بازنطینیوں کے لیے بہت مقدس قلعہ تھا جس کی تقدیس کے خاطر وہ کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ عیسائی سپاہیوں نے اس موقعے پر جس جانبازی اور استقامت کا مظاہرہ کیا اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو شہنشاہ

نے ایک سازش ترتیب دی اور امیر کرمانیہ کی مدد سے سلطان مراد خان ثانی کے چھوٹے بھائی کو خلافت کے دعوے دار کے طور پر کھڑا کر دیا۔ مراد خان ثانی اس افتاد سے نمٹنے کے لیے محاصرہ اٹھا کر بورصا پہنچا اور بغاوت کو فرو کیا، اب کی بار سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے بجائے صلح پر اکتفا کیا۔ اس کے بعد سلطان نے سالونیکا اور سرویا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۴۳۰ء میں سلانیک فتح ہوا تو مراد ثانی کی حکومت کو دس سال ہونے والے تھے۔ اس پورے عرصے میں ایک دشمن خاموشی کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مشغول رہا جو عثمانیوں پر کاری ضرب لگانے کا منتظر تھا، یہ دشمن ملک ہنگری تھا۔ سرویا کی فتح کے بعد ہنگری کے ساتھ معمولی چھڑپیں ہوئیں لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، ہنگری کے ساتھ بوسنیا، البانیا اور ولاچیا بھی عثمانیوں کو یورپ سے بے دخل کرنے اور خود مختاری حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ لیکن عیسائی ریاستوں کے آپس میں متحد نہ ہونے کی وجہ سے یہ ساری کوششیں رائیگاں چلی جاتی تھیں۔ ۱۴۴۰ء میں پولینڈ کا بادشاہ لاڈسلاس ہنگری کے تخت پر بیٹھا اور جنگ کا منصوبہ ترتیب دینے لگا، اسی زمانے میں ایک مشہور عیسائی جنرل ہونیاڈے جس کی جنگی مہارت کے چرچے ہر طرف ہو رہے تھے، ہنگری آ پہنچا، جنرل ہونیاڈے نے تمام مخالف قوتوں کو اکٹھا کیا۔ ہنگری کے تیور دیکھ کر مراد خان ثانی ہنگری پر لشکر کشی کے لیے روانہ ہوا، ہنگری پر حملے کے لیے بلغراد کو فتح کرنا ضروری تھا۔ اس لیے سلطان نے پہلے بلغراد پر حملہ کیا لیکن ناکام ہوا۔ اس عرصے میں ہونیاڈے نے ایک بڑے ترک لشکر پر حملہ کر دیا جو ایک قلعے کی محاصرے پر مامور تھا۔ ترک لشکر ہونیاڈے کا مقابلہ نہیں کر سکا اور بدترین شکست سے دوچار ہوا، ہونیاڈے اور اس کی لشکر نے ترک سپاہیوں کی بھاری اکثریت کو قتل کر دیا۔ یہ فتح ہونیاڈے کی ترکوں کے خلاف پہلی کامیابی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل ہونیاڈے انتہائی سفاک اور ظالم سپہ سالار تھا جسے ہر کچھ دیر بعد قیدیوں کا لہو بہانے میں لذت ملتی تھی، بالخصوص کھانا کھانے سے قبل وہ اپنے سامنے کچھ قیدیوں کو ضرور قتل کرواتا تھا، ترکوں کی اس شکست نے مخالفین کے حوصلے بلند کر دئے۔ ہونیاڈے نے عیسائی دنیا میں ایک نئی روح پھونک دی اور ہنگری، بوسنیا، پولینڈ، ولاچیا، سرویا، فرانس، جرمنی سمیت دیگر یورپی ممالک کے فوجی دستے ایک جھنڈے جمع ہونے لگے۔ اس زبردست صلیبی اتحاد کے لیے بھاری مقدار میں مالی امداد فراہم کر دی گئی۔ جمہوریہ وینس اور دیگر ممالک نے جنگی بیڑے فراہم کیے۔ مراد ثانی کے افواج اس وقت

کرمانیہ کی بغاوت کچلنے میں مشغول تھیں، اگر چہ متحد صلیبی افواج کی سربراہی شاہِ پولینڈ و ہنگری لاڈسلاس کے پاس تھی لیکن عملاً ان کی قیادت جنرل ہونیاڈے کر رہا تھا۔ اسی جنرل کے ہاتھوں عثمانیوں کی پے در پے شکستوں کا آغاز ہوا۔ یہ لشکرِ جرار متعدّد علاقوں کو تاراج کرتا ہوا دریاے ڈینوب عبور کر گیا اور نیش کے مقام پر صف بستہ ہوا۔ یہاں ایک خونریز مقابلے کے بعد عثمانیوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے بعد ہونیاڈے نے صوفیا قبضہ کیا، اور پھر کوہِ بلقان میں ہونیاڈے نے ترک لشکر کو جا لیا۔ عثمانی سپاہیوں نے جم کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اتحادی افواج نے انھیں گھیر لیا۔ کوہِ بلقان کے مشکل راستوں میں لڑتے اور بھاگتے بڑی تعداد میں عثمانی تہِ تیغ ہوئے۔

اب ایک طرف مسلسل ناکامیوں نے عثمانی لشکر کی کمر توڑ دی تھی تو دوسری طرف بغاوت کچلنے میں مشغول افواج کو کہیں اور منتقل کرنا محال تھا۔ اتحادی افواج کی خواہش تھی کہ فتوحات کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے اور لشکر آگے بڑھتا رہے لیکن ہونیاڈے کے غرور نے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر عثمانیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا خواب پورا کیا جا سکتا تھا، لیکن ہونیاڈے اپنی فتوحات کا جشن منانا چاہتا تھا اس لیے اتحادی لشکر کو لے کر واپس روانہ ہو گیا۔

مراد خان نے اس صورتِ حال کو دیکھ کر اتحادی افواج سے صلح کی درخواست کی، چنانچہ دونوں فوجوں میں ایک معاہدہ ہوا۔ یہ معاہدہ؛ زیجڈین کے مقام پر ہوا اس لیے اس کو ''صلح نامۂ زیجڈین'' کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق دونوں فریقوں میں دس سال جنگ بندی پر اتفاق کیا گیا، وہ سرویا جسے نہایت تگ و دو کے بعد عثمانیوں نے حاصل کیا تھا، سلطنت سے آزاد کر دیا گیا، ولاچیا ہنگری کو دے دیا گیا، نیز بھاری مقدار میں رقم بھی ادا کی گئی۔ اس سانحے کے بعد مراد خان ثانی نے دل برداشتہ ہو کر تخت چھوڑ دیا۔ صلح ۱۴۴۴ء میں ہوئی اور اسی سال مراد ثانی نے اپنے ۱۴ سالہ بیٹے محمد خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ کم سن سلطان کی تخت نشینی اور مراد خان کی کنارہ کشی نے شاہِ ہنگری کو شیطنت پر آمادہ کیا اور وہ اتحادیوں کو صلح نامے کی خلاف ورزی پر اکسانے لگا۔ جب اتحادی غداری اور دھوکہ دہی پر آمادہ نہ ہوئے تو پاپائے اعظم کے فتوے کا سہارا لیا گیا۔ شاہِ سرویا، شاہِ ہنگری اور جنرل ہونیاڈے نے دوبارہ لشکر ترتیب دیا۔ شاہِ ہنگری فوری طور پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہونیاڈے نے اسے روک دیا۔ صلح نامے کے مطابق عثمانی لشکروں کو بہت سے قلعے بھی اتحادی لشکروں کے حوالے کرنے تھے اور عثمانی فوج کا

انخلا جاری تھا۔ جنرل کا موقف تھا کہ ان کو دیانتداری سے قلعے خالی کرنے دیے جائیں، اس کے بعد حملہ کیا جائے۔ معاہدے کے صرف دو ماہ بعد ہی ستمبر ۱۴۴۴ء میں بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل صلیبی لشکر صلح نامے کی دھجیاں اڑاتے ہوئے عثمانی حدود میں داخل ہوگیا۔ ترک پہلے ہی دل گرفتہ تھے اور پھر اس غیر متوقع حملے کے لیے تو بالکل تیار نہیں تھے اس لیے شکست پر شکست کھاتے گئے۔ متعدّد قلعے صلیبیوں کے قبضے میں آ گئے۔ عثمانی سپاہیوں کو یا تو قتل کر دیا گیا یا چٹانوں سے نیچے پھینک دیا گیا۔ ان فتوحات کے بعد یہ لشکر بحرِ اسود کے ساحل پر پہنچا اور جنوب کا رخ کیا۔ اب تک عثمانی افواج اس غدر سے مکمل طور پر آگاہ نہیں ہو سکی تھیں۔ اتحادی لشکر نے اس خطے کے سب سے اہم شہر کو ہدف بنایا اور مختلف شہروں پر یلغار کرتے ہوئے وارنا کا محاصرہ کر لیا۔ ترک فوج زیادہ دیر تک دفاع نہ کر سکی اور ہتھیار ڈال دئے، یوں یہ اہم ترین شہر وارنا بھی عثمانیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ان ناکامیوں کے پیش نظر بہت سے سردار مراد خان کے پاس پہنچے اور اسے قیادت کے لیے آمادہ کیا۔ کم عمر سلطان محمد خان نے بھی اپنے والد کو کو پیغام بھیجا کہ وہ آئیں اور رہنمائی کریں، اس زوال سے عثمانی سلطنت کو نکالنے میں مدد کریں، لیکن مراد خان نے انکار کر دیا اور کہا کہ سلطان تم ہو، اس لیے تم ہی قیادت کرو۔ اس موقعے پر سلطان محمد خان نے ایک خط مراد خان کو ارسال کیا، اس خط میں لکھا تھا: ’’اگر آپ خلیفہ ہیں تو آئیے اور اپنی ریاست سنبھالیے، اور لشکر کی قیادت کیجیے اور اگر میں خلیفہ ہوں تو میں حکم دیتا ہوں کہ آپ لشکر کی قیادت کریں‘‘۔ اس پیغام نے خلیفہ مراد خان ثانی کو نیا جوش و جذبہ عطا کیا۔

اُدھر اتحادی لشکر وارنا میں فتح کا جشن منا رہا تھا اور کم سن سلطان کی ناتجربہ کاری پر بغلیں بجا رہا تھا، اور اِدھر مراد خان چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ صلیبیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ سمندر میں عیسائی بیڑے موجود تھے، لہذا اتحادی لشکر مطمئن تھا کہ وارنا تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن مراد خان نے ایک تدبیر کے ذریعے بھاری رقم ادا کر کے سپاہیوں کو سمندر کے راستے پر یورپ منتقل کر دیا۔ اتحادیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عثمانیوں کا لشکر اس قدر قریب آ چکا ہے۔ مراد خان نے جب وارنا سے محض چار میل کے فاصلے پر خیمے نصب کیے تب اتحادی افواج کو ہوش آیا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ بعض اتحادیوں نے حفاظتی اقدامات کا مطالبہ کیا لیکن جنرل ہونیاڈے سابقہ فتوحات کے نشے میں مست تھا۔

اس نے نہ صرف حفاظتی اقدامات سے انکار کیا کیا بلکہ لشکر لے کر مراد خان پر حملہ کر دیا۔ اتحادی لشکر کے دائیں بائیں ولاچیا اور ہنگری کے زبردست جنگجو تھے جبکہ قلب میں شاہِ ہنگری کا ذاتی دستہ موجود تھا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ ابتدا میں ہی عثمانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بعض مورخین کے مطابق مراد خان نے فرار ہونے کی ٹھان لی لیکن اناطولیہ کے ایک سردار کی ہمت افزائی پر مراد خان واپس پلٹا اور ''ینی چری'' کے سپاہیوں کے ساتھ مخالفین پر ٹوٹ پڑا۔ 'ینی' کا مطلب نئی اور 'چری' کا مطلب فوج۔ ینی چری دستے کو مراد خان نے بنایا تھا، اس میں نومسلم لڑکے شامل کیے جاتے تھے اور انھیں بہترین تربیت دی جاتی تھی۔ ان کا تعلق براہِ راست سلطان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ینی چری نے جوابی حملے میں اتحادی لشکر کو زیر کر دیا۔ شاہِ ہنگری زخمی ہوا تو ایک سپاہی نے اس کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر امرائے ہنگری بھاگ کھڑے ہوئے۔ جنرل ہونیاڈے بھی بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ عثمانی سپاہی اتحادیوں کی عہد شکنی سے اتنے غصے میں تھے کہ میدانِ جنگ میں انھوں نے لاشوں کے انبار لگا دیے۔ دو تہائی لشکر قتل ہوا اور ایک تہائی لشکر بھاگنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس جنگ کے فوراً بعد سرویا اور بوسنیا کو فتح کر لیا گیا۔

جنگ سے واپسی پر ینی چری نے بغاوت کر دی اور محمد خان کے خلاف محاذ بنا لیا۔ بہت سے عمائدین کی درخواست پر مراد خان نے ۱۴۴۵ء میں دوبارہ تخت اپنے اختیار میں لیا تو ینی چری نے فی الفور بغاوت ختم کر دی۔ اس طرح مراد خان ثانی دوبارہ خلیفہ بن گئے۔ اگرچہ محمد خان کی عمر کم تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ سلطان مراد کو ایک بزرگ نے بتایا تھا کہ تمھارے بیٹے کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح ہو گا اسی وجہ سے مراد خان نے محمد کو تخت پر بٹھایا تھا۔ بہرحال، مراد خان مزید چھے سال تک تخت پر جلوہ افروز رہے اور مسلسل جنگوں میں مشغول رہے۔ یوں تو سلطان مراد خان نے آخری چھے سالوں میں بھی بہت سے اہم شہر فتح کیے لیکن ان میں سے ایک اہم معرکے کا ذکر ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جنرل ہونیاڈے شکستِ وارنا کا داغ لیے ہوئے ہر طرف صلیبی افواج کی ذلت کا نشان بنا پھر رہا تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ وارنا کی شکست کے بعد محض چار سال کے اندر اس نے اسّی ہزار کا لشکر ترتیب دیا اور سرویا اور بوسنا کی فوج کو ساتھ ملا کر کوسووَہ کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ یہ وہی میدان ہے جس میں ۱۳۸۹ء میں مراد خان اول نے صلیبیوں کو عبرت ناک شکست دی تھی۔ ساٹھ سال بعد دوبارہ جنرل

ہونیاڈے کی شکست نے اسے اس میدان میں لا کھڑا کیا۔ معرکہ شروع ہوا تو دونوں لشکر جاں فشانی سے لڑے۔ تین دن تک یہ ہولناک جنگ جاری رہی۔ ہونیاڈے کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی اور مراد خان ثانی نے صلیبیوں کو کچل کر رکھ دیا۔ ۱۴۵۱ء میں مراد خان کے انتقال پر محمد خان تخت کے وارث ہوئے۔ مراد خان کو بورصا میں دفن کیا گیا۔

جاری ہے

کتابیات:

السلاطین العثمانیون، راشد کوندوغدو، الناشر: دار الرموز للنشر، إسطنبول، ۲۰۱۸ء

آلبوم پادشاہانِ عثمانی، مترجم: میلاد سلمانی، ناشر: انتشاراتِ قَقنُوس، استنبول، ۲۰۱۵ء

تاریخِ سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر محمد عزیر، ناشر: کتاب میلہ، ۲۰۱۸ء

*****

شاہنواز فاروقی
ادیب، دانشور اور کالم نگار

پاکستان کیوں ٹوٹا؟

سقوطِ ڈھاکہ پر خصوصی تحریر

گھر میں بچہ دس روپے کا گلاس توڑ دیتا ہے تو بھی والدین اس امر کی تحقیق کرتے ہیں کہ گلاس کیوں ٹوٹا؟ لیکن ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ٹوٹ گئی اور پاکستان کے حکمران طبقے نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ پاکستان کیوں ٹوٹا؟ بلکہ اس کے برعکس پاکستان کے حکمران طبقے نے سقوطِ ڈھاکہ کو جلد از جلد بھلانے کی کوشش کی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے حوالے سے حمودالرحمن کمیشن قائم کیا گیا مگر اس کا دائرۂ کار انتہائی محدود تھا، لیکن اس کے باوجود حمودالرحمن کمیشن کی رپورٹ کو بھی تین دہائیوں تک سامنے نہیں آنے دیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنے مقاصد کے لیے اس رپورٹ کے کچھ حصے شائع کیے لیکن پوری رپورٹ ابھی تک راز ہے۔ یہ صورتِ حال حکمران طبقے کی مجرمانہ ذہنیت کی عکاس ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے حکمران طبقے کے لیے اپنے مفادات کے سوا کچھ اہم نہیں۔ ملک تک نہیں۔ اس طبقے کے لیے اس کے مفادات ہی ملک ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر پاکستان کیوں ٹوٹا؟

اس سوال کا جواب پانچ نکات میں مضمر ہے:

(۱) ریاستی امور سے اسلام کی بے دخلی

(۲) فوجی ذہنیت

(۳) سماجی و معاشی ناانصافی

(۴)تذلیل

(۵)مغربی و مشرقی پاکستان میں موئثر ابلاغ کا فقدان

پاکستان کے سیکیولر طبقے کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے اتحاد کی بنیاد اسلام نہیں تھا۔ یا یہ کہ دونوں حصوں کے درمیان اسلام کو binding force قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن پاکستان کے دو ٹکڑے ہونے کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور قیامِ پاکستان کے بعد اسلام ہی کو ریاستی معاملات سے بے دخل کر دیا گیا۔

لوگ کہتے ہیں کہ بنگالیوں میں قوم پرستی بہت تھی اور یہی قوم پرستی مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کا سبب بن گئی۔ لیکن تحریکِ پاکستان کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام نے تحریکِ پاکستان کے سات برسوں میں بنگلہ قوم پرستی کو تحلیل کر دیا تھا۔ بنگالی قوم پرستی سے اوپر اٹھ گئے تھے۔ ان کے دل لاالہ الا اللہ کے لیے دھڑک رہے تھے۔ اور یہ صرف بنگالیوں کی بات نہیں تھی۔ یوپی، سی پی، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے لوگ بھی اپنی لسانیتوں، اور اپنے جغرافیوں سے بلند ہوگئے تھے اور اسلام اُن کے تشخص کا مرکزی حوالہ بن گیا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا اور یہ فاصلہ بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب بنا۔ لیکن تحریکِ پاکستان کے سات برسوں میں ایک آدمی نے بھی یہ شکایت نہیں کی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کی کشش نے دلوں کے فاصلے مٹا دیے تھے، اور جہاں دلوں کے فاصلے مٹ جاتے ہیں وہاں جغرافیائی فاصلوں کی اہمیت نہیں رہتی۔

لیکن قیامِ پاکستان کے بعد مغربی پاکستان کے غاصب حکمران طبقے نے اسلام کی قوت اور اس کے حسن و جمال کو استعمال ہی نہیں کیا۔ ۱۹۵۴ء میں جو عبوری دستور بنا وہ اسلامی نہیں تھا۔ ۱۹۵۶ء کا دستور اسلامی نہیں تھا۔ جنرل ایوب سیکیولر تھے۔ جنرل یحییٰ سیکیولر تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تحریکِ پاکستان کا اسلامی جذبہ کمزور پڑتا چلا گیا، حالانکہ پاکستان کے قیام کے بعد اس جذبے کو مزید توانا ہونا چاہیے تھا۔ سوال یہ ہے کہ جو جذبہ ریاست کے بغیر لوگوں کو متحد کرنے کے سلسلے

میں ''معجزہ'' دکھا سکتا تھا وہ جذبہ ریاست کے قیام کے بعد کیا نہیں کر سکتا تھا؟ لیکن اس جذبے کو دبا دیا گیا، بھلا دیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ دلوں میں فاصلے پیدا ہو گئے۔ قوم پرستی ابھر آئی۔ دلوں کے فاصلے نے جغرافیائی فاصلوں کے احساس کو شدید کر دیا۔ برداشت کی صلاحیت کم سے کم ہوتی چلی گئی۔

تجزیہ کیا جائے تو فوجی ذہنیت مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا دوسرا بڑا سبب ہے۔ یہ فوجی ذہنیت ہی تھی جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جائے گا۔ اس نظریے کے تحت مشرقی پاکستان کو کبھی بھاری توپ خانہ فراہم نہ کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں طاقت کا توازن ہولناک حد تک بھارت کے حق میں ہو گیا اور بھارت تیزی کے ساتھ مشرقی پاکستان میں پیش قدمی کرتا چلا گیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے ''منصفانہ'' ہونے کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے اور جنرل یحییٰ کو انتخابات کے منصفانہ ہونے پر سراہا جاتا ہے، لیکن ان منصفانہ انتخابات کی حقیقت یہ تھی کہ جنرل یحییٰ چاہتے تھے کہ مشرقی پاکستان میں مجیب اور مغربی پاکستان میں بھٹو کامیاب ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس صورت حال میں جنرل یحییٰ خود کو جمہوری صدر بنانے کے لیے سودے بازی کی پوزیشن میں آجاتے۔ اگر بھٹو یا مجیب میں سے کوئی ایک بھاری اکثریت سے کامیاب ہو جاتا تو جنرل یحییٰ کی سودے بازی کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی۔ لیکن یہ محض ایک تجزیہ ہے، ورنہ ۱۹۷۱ء میں آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل ریٹائرڈ بریگیڈیئر صدیقی نے ایک ٹی وی انٹرویو میں انکشاف کیا تھا کہ جنرل یحییٰ اور مولانا بھاشانی کے درمیان طے پایا تھا کہ جنرل یحییٰ مولانا بھاشانی کو دو کروڑ روپے فراہم کریں گے اور بھاشانی کے امیدوار مشرقی پاکستان کے دیہی علاقوں میں مجیب الرحمن کے امیدواروں کا مقابلہ کریں گے۔ صدیقی صاحب کے بقول بھاشانی شیخ مجیب کے خلاف انتخابات میں حصہ لیتے تو مشرقی پاکستان کے انتخابی نتائج کچھ اور ہوتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ایسا کیوں نہیں ہوا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صدیقی صاحب نے کہا کہ جنرل یحییٰ پاکستان توڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس سلسلے میں حالات کی سنگینی کا اندازہ کئی اور شہادتوں سے بھی ہوتا ہے۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی جو اُس وقت مشرقی پاکستان میں خدمات انجام دے رہے تھے، دعویٰ کرتے ہیں: ''میں مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کے خلاف تھا۔ مقامی کمانڈر آپریشن کے خلاف تھے۔ لیکن مغربی پاکستان کے جنرل فوجی ایکشن کے حق میں تھے''۔(The Separation of

(East Pakistan by Hasan Zaheer page-159

مشرقی پاکستان کے مخدوش حالات میں فوجی آپریشن ہو رہا تھا۔ ملک کی وحدت اور سلامتی داؤ پر لگی ہوئی تھی لیکن جنرل یحییٰ کا فوجی ذہن کس طرح کام کر رہا تھا اس کا ذکر جنرل غلام عمر کی زبانی سنیے: ”مشرقی پاکستان میں مشیروں کا کوئی باضابطہ ادارہ موجود نہ تھا۔ چنانچہ صدر (یحییٰ) کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے فوجی رفقا میں سے ہر ایک کو کوئی ایک شعبہ دے دیں جو اس شعبے کے ہر پہلو کا گہرائی میں مطالعہ کرے گا اور پھر صدر اعلیٰ سطح کے اجلاسوں میں معاملات کا فیصلہ کریں گے۔ لیکن عام طور پر ہوتا یہ تھا کہ یحییٰ خان کی شام کی نشستوں میں معاملات زیرِ بحث آجاتے اور وہاں اتفاق سے جو کوئی گورنر یا فوجی افسر موجود ہوتا وہی بحث میں شریک ہوجاتا تھا“۔(The Separation of East Pakistan by Hasan Zaheer page -113)

اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انتہائی سنگین حالات میں بھی ملک کی تقدیر سے متعلق فیصلے کس طرح ہو رہے تھے۔ لیکن فوجی ذہنیت کا شاہکار خود جنرل یحییٰ کا اعترافی بیان ہے، انھوں نے ایک موقعے پر فرمایا: ”میں نے یہ جاننے کی کبھی خاص کوشش نہیں کی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے۔ میں نے حکومت چلانے کے لیے اپنے تربیت یافتہ ذہن پر انحصار کیا۔ میں ۳۲ سال تک فوج کے مختلف عہدوں پر فائز رہا تھا۔ ان میں اعلیٰ ترین عہدے شامل ہیں۔ ان عہدوں پر فائز رہتے ہوئے میں نے لاکھوں لوگوں کو کنٹرول کیا، ان کے ذہنوں کو پڑھا، ان کے مسائل کو سمجھا اور انھیں حل کیا۔ چنانچہ میرا خیال یہ تھا کہ ملک چلانا فوج کو چلانے سے مختلف کام نہیں ہوگا“۔(The Separation of East Pakistan by Hasan Zaheer page-159)

ظاہر ہے کہ یہ صرف جنرل یحییٰ کا ”تناظر“ نہیں تھا۔ جنرل ایوب کا تناظر بھی یہی تھا۔ جنرل ضیاء الحق کا تناظر بھی ایسا ہی تھا اور جنرل پرویز مشرف کے تناظر کی نوعیت بھی یہی تھی۔ یہ سب لوگ معاشرے کو سمجھے بغیر اسے چلاتے رہے ہیں۔ ان تمام لوگوں نے فوج کو چلانے کے تجربے کو معاشرے پر حکومت کے لیے کافی سمجھا ہے۔ اس طرزِ عمل سے ملک دولخت نہ ہوتا تو کیا ہوتا! اس طرزِ عمل سے موجودہ پاکستان سنگین خطرات سے دوچار نہ ہوتو اور کیا ہو؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول آپ نے کبھی نہ کبھی ضرور سنا یا پڑھا ہوگا کہ معاشرہ کفر کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے لیکن ناانصافی کے ساتھ نہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ایک سبب یہی تھا کہ ہمارے حکمران طبقے نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے اتحاد کو ناانصافی کے ذریعے چلانے کی کوشش کی۔ مشرقی پاکستان کی آبادی ملک کی مجموعی آبادی کا ۵۴ فیصد تھی لیکن مشرقی پاکستان سے کہا گیا کہ آپ اپنی آبادی کو ۵۰ فیصد تسلیم کریں اور اسی بنیاد پر وسائل کی تقسیم پر آمادہ ہوجائیں۔ مشرقی پاکستان نے یہ قربانی دی، لیکن اس قربانی کی بھی قدر نہ کی گئی۔ اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۵۵-۶۰ء کے پانچ سالہ منصوبے کے لیے ۹۲۳۰ ملین روپے مختص کیے گئے، جس میں سے مشرقی پاکستان کے لیے صرف ۳۰۰۰ ملین روپے کی رقم مختص کی گئی۔ مغربی پاکستان کے لیے ۳۵۰۰ ملین روپے رکھے گئے، جب کہ وفاق اور کراچی کے لیے ۲۷۳۰ ملین روپے مختص کیے گئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مشرقی پاکستان کو اس کے حصے کا ۵۰ فیصد بھی ادا نہیں کیا گیا۔

اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۴۸-۴۹ء اور ۱۹۴۹-۵۰ میں مشرقی پاکستان نے بالترتیب ۱۲۵۴ ملین روپے اور ۵۹۷ ملین روپے کی اشیا برآمد کیں، جبکہ ان برسوں میں اس کی درآمدات بالترتیب ۲۳۱ ملین روپے اور ۲۱۴ ملین روپے رہیں۔ جب کہ اسی عرصے میں مغربی پاکستان کی برآمدات ۵۲۶ ملین روپے اور ۵۱۸ ملین روپے رہیں۔ اسی عرصے میں مغربی پاکستان کی درآمدات کی مالیت بالترتیب ۶۴۸ ملین روپے اور ۶۳۲ ملین روپے رہی۔ اس بنیاد پر مشرقی پاکستان کے رہنماؤں نے دعویٰ کیا کہ مشرقی پاکستان کی کمائی ہوئی دولت مغربی پاکستان میں خرچ کی جارہی ہے۔

تاریخ کا تجربہ بتاتا ہے کہ آدمی بھوک برداشت کرلیتا ہے، ناانصافی برداشت کرلیتا ہے مگر اس سے تذلیل برداشت نہیں ہوتی۔ مغربی پاکستان کے حکمران طبقے نے مشرقی پاکستان کے لوگوں کی تذلیل میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مغربی پاکستان کے لوگوں نے فوج میں شمولیت کے لیے مارشل ریس کا نظریہ ایجاد کیا جس کے تحت بنگالیوں کو پستہ قد باور کرا کے انھیں فوج میں شامل ہونے سے روکا گیا۔ ان کے رنگ، ان کے کھانے پینے اور ان کے لباس کا مذاق اڑایا گیا۔ یہ صورت حال بھارتی پروپیگنڈے کے ساتھ آمیز ہو کر آتش فشاں بن گئی۔

ہماری تاریخ کا ایک المیہ یہ ہے کہ مشرقی پاکستان تیزی کے ساتھ علیحدگی کے راستے پر گامزن تھا مگر مغربی پاکستان

کے لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی ہے۔ حکمران انھیں بتا رہے تھے کہ مٹھی بھر بھارتی ایجنٹ گڑبڑ کر رہے ہیں ورنہ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے لیے محبت کا زمزمہ بہہ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی پاکستان کے لوگ مشرقی پاکستان کو علیحدگی سے روکنے کے سلسلے میں کوئی کردار ادا نہ کر سکے۔ انھیں اصل حقیقت اُس وقت معلوم ہوئی جب سقوطِ ڈھاکہ ہو گیا اور ہمارے ۹۰ ہزار فوجیوں نے بھارت کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کے آزاد ذرائعِ ابلاغ کا کردار بھی مجرمانہ ہے۔ انھیں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان ''ابلاغی پل'' کا کام انجام دینا چاہیے تھا، لیکن اس کے برعکس وہ پہلے دن سے آخری دن تک ''سرکاری سچ'' رپورٹ کرتے رہے۔

پاکستان کے موجودہ منظرنامے کو دیکھا جائے تو قومی تاریخ کے تجربات کی روشنی میں ایک بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام کے ساتھ وابستگی میں ہے۔ صرف اسلام ہماری کمزوری کو طاقت میں بدل سکتا ہے۔ صرف اسلام ہمارے انتشار کو اتحاد میں ڈھال سکتا ہے۔ صرف اسلام ہمارے تضاد کو تنوع بنا سکتا ہے۔ صرف اسلام کے سہارے ہم بھیڑ سے ایک قوم بن سکتے ہیں۔ صرف اسلام ہمیں ہمارے صوبائی، لسانی، گروہی اور مسلکی تعصبات سے بلند کر سکتا ہے۔ صرف اسلام کے ذریعے ہم امریکہ کی بالادستی کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ صرف اسلام کے ذریعے ہماری خُفتہ صلاحیتیں بیدار ہو سکتی ہیں۔ صرف اسلام کے لیے ہم بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں۔ صرف اسلام کے لیے ہم بڑے سے بڑے انفرادی اور اجتماعی نقصان کو جذب کر سکتے ہیں۔ صرف اسلام ہمیں منزل کا شعور عطا کر سکتا ہے۔ صرف اسلام ہماری سمتِ سفر کو درست کر سکتا ہے۔ لیکن ماضی کی طرح ہمارا حکمران طبقہ آج بھی اسلام سے گریزاں ہے۔ اس وجہ سے ملک میں ہونے والے انتخابات میں لسانی اور صوبائی تعصبات کھل کر اپنا اظہار کرتے ہیں۔

تجزیہ کیا جائے تو سماجی اور معاشی انصاف کے حوالے سے بلوچستان کی شکایات مشرقی پاکستان کی شکایات سے ملتی جلتی ہیں۔ صوبہ بلوچستان سارے ملک کو گیس فراہم کرتا ہے مگر خود اسے گیس میسر نہیں۔ گیس کی رائلٹی کا جھگڑا اس کے سوا ہے۔ بلوچستان کا شکوہ ہے کہ ملک کی نوکریوں میں اس کے نوجوانوں کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلوچستان کو شکایت ہے کہ اس کے معدنی وسائل استعمال کیے جا رہے ہیں اور اس کو نہ اعتماد میں لیا جا رہا ہے نہ اس کو اس کا حصہ دیا جا رہا ہے۔ اس

امر پر ملک میں کامل اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ بلوچستان نواب اکبر بگٹی کے قتل کے بعد آتش فشاں بنا اور یہ کام ایک بار پھر فوجی ذہن سے انجام پایا۔ اہم بات یہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے صرف نواب اکبر بگٹی کو قتل نہیں کیا، انھوں نے نواب اکبر بگٹی کے وسیلے سے بلوچ کردار کی تذلیل کی۔ انھوں نے کہا کہ نواب اکبر بگٹی کو ایک چیز ہٹ کرے گی اور انھیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ انھیں کس چیز نے ہٹ کیا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ بلوچستان جل رہا ہے اور ہمارے ذرائعِ ابلاغ کی عظیم اکثریت اس وقت بھی سرکاری سچ رپورٹ کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ ملک بالخصوص پنجاب کے لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ بلوچستان میں کیا ہو رہا ہے؟ جس دن نواب اکبر بگٹی قتل ہوئے ہم لاہور میں تھے اور لاہور میں اس ہولناک واقعے کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

ان حقائق کو دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی تاریخ کے ایک ایسے مرحلے میں ہیں جہاں صرف اسلام ہی ہمارا تحفظ کرسکتا ہے۔ جہاں اسلام ہی ہماری تلوار اور اسلام ہی ہماری ڈھال بن سکتا ہے۔ اس کے سوا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے۔ اجتماعی خودکشی کی طرف جاتا ہے۔ اقبال نے ایک صدی قبل کتنی صداقت، کتنی قوت اور کتنی سرمستی کے ساتھ کہا تھا:

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

*****

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظمِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ

قسط نمبر ۱۹

۱۹۰۸ء کا انقلاب

عالمی صیہونی طاقتوں کی کوشش یہ تھی کہ سلطان کے مخالفین کو جمع کیا جائے، اس کے لیے انھوں نے جمعیتِ اتحاد و ترقی کو استعمال کیا۔ نامق کمال شاعر، علی سعاوی اور محمد ضیا پاشا وغیرہ نے ۱۸۶۵ء میں اٹلی کی انقلابی تنظیم young Italy کی طرز پر ایک خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھی جو بعد میں ترک جوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ وہ لوگ تھے جو انقلابِ فرانس اور اس کے فکری راہنماوں سے متاثر تھے۔ یہ لوگ جدید عثمانی بھی کہلائے جاتے تھے۔ نامق کمال، صدر الاعظم مدحت پاشا کے دوست تھے۔ انھوں نے فرانسیسی دستور اور نظریۂ حیات مدحت پاشا کے سامنے پیش کیا اور فرانسیسی طرز پر مملکت کی اصلاح کی تجویز دی، چنانچہ مدحت پاشا ان کے ہمنوا بن گئے۔ آخری چند حکومتوں میں ترک فوج کی مغربی خطوط پر تنظیم نَو کا کام زور و شور سے شروع ہوا تھا۔ یورپ کے کئی فوجی استاد ترک فوج کی تربیت کے لیے یہاں آ چکے تھے۔ ان لوگوں نے فوجی تعلیم کے ساتھ، سیاسی و سماجی نظریات سے بھی افواجِ ترک کو روشناس کرایا۔ اس کے نتیجے میں فوجی اسکولوں، ان کے طلبہ اور فوجی افسران میں انقلابی خیالات رچ بس گئے۔ اس کے علاوہ اعلی تعلیم کے اداروں خصوصا میڈیکل کالج وغیرہ میں یہ انقلابی دعوت پھیلنے لگی۔ ابراہیم تیمورومانی ان کا لیڈر تھا۔ جو صیہونی تنظیم "فری میسن" کا تربیت یافتہ تھا اور ان کی محفلوں میں شرکت کیا کرتا تھا۔ ابراہیم تیمو نے یہاں الاتحاد العثمانی کے نام سے خفیہ تنظیم قائم کی۔ سالونیک (موجودہ تھیسالونیکی، یونان) میں ان کے اجلاس اور اکٹھ ہونے لگے۔ یہ حریت، جمہوریت اور آزادئ رائے کے عنوانات سے ہوتے تھے۔ انجمنِ اتحاد و

ترقی کو، ماسونی تنظیم مقدونیہ رستورا، کا پورا تعاون حاصل تھا جس کا بانی ایمانویل قاراسوہ سلانیکی تھا۔

عالمی صیہونی تنظیم اور سالونیک کے مسلم نما یہود بھی اس جمعیت کے حمایتی بن گئے تھے۔ ان کے بعض ارکان جنیوا اور فرانس وغیرہ فرار ہوگئے اور وہاں سے سلطنت کے خلاف اخبار مثلاً "عثمانلی" وغیرہ نکالنا شروع کیے۔ انقلابی تنظیم کا پہلا دفتر جنیوا میں قائم کیا گیا اور اس کے بعد پیرس اور لندن وغیرہ میں اس کی شاخیں کھول دی گئیں۔ دولتِ عثمانیہ میں ایک جاہلی تصور "تورانی تصورِ قومیت" سامنے آرہا تھا۔ جس میں منگولوں اور ترکوں کو ایک ہی اصل پر قائم دکھایا گیا تھا اور اس فکر کے ماننے والے دین کے بجائے قومیت پر جمع ہونا چاہتے تھے۔ یہ وحدتِ ادیان کی تحریک کہلائی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ چنگیز خان اور ہلاکو وغیرہ کی فتوحات پر فخر کیا کرتے اور ان کے قصائد پڑھتے۔ تورانی یہودی الاصل ترک فلاسفر مؤئیز کوہین کی کتابوں "الكمالية"، "الروح التركية"، "سياسية التريك" کو مقدس کتابوں کا رتبہ دیتے تھے۔

انقلابیوں کے کچھ لوگ اٹلی کی خفیہ انقلابی تنظیم کاربوناری سے متاثر تھے۔ ان میں سے احمد رضا بک نے فرانس میں سکونت اختیار کی اور ۱۸۹۵ء میں مشورات کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ احمد رضا؛ کانٹ سے متاثر تھا اور اس کے نظریات کو فروغ دیتا تھا۔ جمعیتِ اتحاد کے موسس ابراہیم تیمو اپنے ساتھیوں کے خفیہ اجلاس منعقد کرتا جن میں نامق کمال اور ضیا پاشا کے انقلابی اشعار و نثر یا پھر صیہونی کارکنوں کی تحریروں کا مطالعہ کیا جاتا۔ یہ تمام دھڑے سلطان کے خلاف علمی و عملی مزاحمت پر متفق تھے۔ ان تمام دھڑوں کو ملا کر ایک تنظیم بنادیا گیا جس کا نام جمعیتِ اتحاد و ترقی رکھا گیا۔ اس جماعت کی تنظیم سازی کا کام اطالوی خفیہ تنظیموں کی طرز پر کیا گیا۔ سلطنت کے پولیس اور انٹلی جنس ارکان ان کی کھوج میں لگے رہتے اور بہت سوں کو جلاوطن یا قید کیا گیا اور بعضوں کو موت تک کی سزا دی جاتی۔ لیکن پُر تشدد رویہ ان انقلابی خیالات کو دبا نہ سکا بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ سلطنت میں ان دنوں معاشی حالات بھی ابتر تھے۔ اگرچہ بیرونی قرضوں کی وجہ سے عوام اور کاشتکاروں پر ٹیکس لگایا گیا تھا لیکن وہ معمولی قسم کا تھا۔ لیکن ان کی آڑ میں سرکاری اہلکاروں اور افسروں کی خلافِ ضابطہ وصولیوں اور من مانیوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ عوام میں حکومت بیزاری پھیلنے لگی جس کے نتیجے میں انقلابیوں کی سرگرمیاں بڑھتی ہی گئیں۔ ۱۹۰۶ء میں مقدونیہ کے علاقے سولونیکا (سالونیک) میں خفیہ انقلابی دفتر قائم کیا گیا۔ مقدونیہ کا صوبہ عرصۂ دراز سے

عدمِ امن اور بین الاقوامی مداخلت کا شکار تھا چنانچہ یہاں انقلابی دعوت کو بہت پذیرائی ملی۔ دسمبر ۱۹۰۷ء تک مقدونیہ کی تقریبًا پوری فوج سے انقلابی حکومت کی مدد کا عہد لے لیا گیا۔ اس کے علاوہ ادرنہ، قسطنطنیہ اور اناطولیہ کی فوجوں کے ایک بڑے حصے نے انقلابی تحریک کے ساتھ اپنی ہمدردی ظاہر کردی۔ انجمن اتحاد و ترقی نے عثمانی مخالف طاقتوں کو ساتھ ملانے کی کوششیں بھی جاری رکھیں۔ سلطان عبدالحمید کا بہنوئی محمود جلال الدین پاشا سلطان سے بعض مالی معاملات کی وجہ سے پرخاش رکھتا تھا۔ یہ شخص ۱۸۹۹ء میں سلطنت سے بھاگ کر برکسل میں آباد ہوگیا اور یہاں سے سلطان کے خلاف بیان بازی شروع کی۔ ۱۹۰۴ء میں یہ فوت ہوگیا تو اس کا بیٹا صباح الدین بک خلافت کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مشہور فرانسیسی سوشیالوجسٹ، درخائم کی شاگردی بھی اختیار کی۔ بہرحال یہ بھی خفیہ انقلابی تحریکوں کا رکن تھا۔ انگریز اسے خاص رتبہ دیتے تھے اور اس نے مغرب میں سلطان مخالف جذبات کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ انقلابی تنظیموں میں " عدمِ مرکزیت " کا فلسفہ اسی نے پھیلایا جس کی رو سے ہر صوبے اور مقبوضے کو سلطنت سے آزادی دلانا ان کے منشور میں داخل تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ سے بغاوت کر کے مصر میں آزاد حکومت قائم کرنے والے محمد علی پاشا کے ایک پوتے سعید حلیم پاشا اور ایک پڑپوتے عمر طوسون پاشا بھی سلطان عبدالحمید کی عداوت میں جمعیتِ اتحاد و ترقی کے ارکان بن گئے۔ دمشق میں متعیّن عثمانی فوج کے بریگیڈ ۵ کے ڈاکٹر مصطفیٰ جاتنکین نے " وطن اور آزادی " کے نام سے ایک خفیہ تنظیم ۱۹۰۶ء میں قائم کی۔ مصطفی کمال پاشا سالونیکی سمیت بہت سارے فوجی افسران اس تنظیم کے رکن بنتے گئے۔ بعد میں یہ تنظیم جمعیتِ اتحاد و ترقی میں ضم کردی گئی۔ طویل محنت کے بعد پیرس میں ایک انقلابی کانفرنس احمد رضا بک کی زیرِ صدارت منعقد کی گئی جس میں کئی عثمانی مقبوضات کے لوگ شامل ہوئے۔ اس اجلاس میں انجمنِ اتحاد و ترقی کے علاوہ، آرمینی، بلغاری، یہودی، عربی اور البانوی کمیٹیاں شامل ہوئیں۔ تمام مندوبین نے ایک اعلامیے پر اتفاق کیا: سلطان عبدالحمید کو معزول کیا جائے گا۔ سلطنتِ عثمانیہ کی سالمیت کا تحفظ کیا جائے گا۔ قانون کی نگاہ میں ہر نسل و مذہب کو کامل مساوات حاصل ہوگی۔ مدحت پاشا کے مرتب کردہ اساسی دستور پر دستوری حکومت قائم کی جائے گی۔ یہ ایک اہم پیش رفت تھی چنانچہ اخبارات میں اس خبر کو خاص اہمیت دی گئی اور انقلابی جماعت کے اخباروں نے اس خبر کو خوب نمایاں کیا۔ جمعیتِ اتحاد و ترقی کی قیادت میں عالمی صیہونیت اور ماسونیت کے ایجنٹ شامل تھے۔ بلکہ ان کی

قیادت میں بھی ان کا ہدف یہ تھا کہ وہ کسی طرح سلطان کو نہ صرف حکومت بلکہ اس کی جائداد و املاک تک سے معزول کریں۔ انھوں نے نہ صرف جمیعت کے ارکان میں مال و دولت تقسیم کی بلکہ ان میں اسلحہ بھی تقسیم کیا گیا۔ قراصوہ صیہونی اپنے اجتماعات میں جمیعت کے اجلاس منعقد کرنے لگا، سلانیک کے ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ تھے۔ عثمانی مقبوضات کے لوگ خاص طور پر عرب قوم پرست بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

جولائی ۱۹۰۸ء میں سالونیک کمیٹی نے اعلانِ انقلاب کر دیا۔ چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۰۸ء کو ترک فوج کے ایک کمانڈار؛ احمد نیازی بے نے دو سو آدمیوں کے ساتھ مقدونیہ کے شہر رسنہ کی پہاڑیوں پر علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس کے بعد سالونیک میں تعینات تیسرے آرمی ڈویژن کے کمانڈر اسماعیل انور پاشا بے اور کچھ دوسرے افسران نے بھی اعلانِ بغاوت کر دیا۔ سلطان کو جوں ہی بغاوت کی اطلاع ملی انھوں نے نزدیکی علاقے مناستر میں متعیّن شمسی پاشا کو بغاوت فرو کرنے کا حکم بھیجا لیکن وہ روانہ ہونے کے لیے گاڑی میں بیٹھے ہی تھے کہ ایک ماتحت فوجی نے گاڑی ہی میں انھیں گولی مار کر قتل کر دیا۔ ازمیر شہر سے افواج، سالونیک کی طرف بھیجی گئیں لیکن وہ جا کر انقلابیوں سے مل گئیں۔ اس کے بعد بھی جتنے افسران بغاوت کچلنے کے لیے بھیجے جاتے یا تو اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں مارے جاتے یا پھر ان کے ماتحت، مخالفین پر گولی چلانے سے انکار کر دیتے یا وہ انقلابیوں سے مل جاتے۔ حکومتی فوج اور نظم اتنا ناکارہ ہو گیا کہ بغاوت میں نامزد، کمانڈروں اور سرداروں کو گرفتار کرنا ممکن نہ رہا۔ اب انقلابیوں نے اگلا کام یہ کیا کہ حکومت کے وفادار منصب داروں کے قتل کا اعلان کر دیا۔ ان میں سے جو جہاں نظر آتا دن دھاڑے مار دیا جاتا اور مارنے والا کوئی نہ کوئی فوجی افسر ہوتا۔ اس طرح حکومت بالکل بے دست و پا ہو گئی۔

مناستر کے فوجی کیمپ پر شمسی پاشا کے بعد عثمان فیضی پاشا تعینات تھے جو اگرچہ سلطان کے وفادار تھے لیکن اپنے ماتحت فوجیوں کے جذبات سے واقف ہونے کے بعد کسی فیصلہ کن کاروائی سے ہچکچا رہے تھے۔ ۲۲ جولائی کو نیازی بے نے اچانک مناستر پر حملہ کر کے عثمان فیضی پاشا کو گرفتار کر لیا۔ انقلابیوں نے مقدونیہ میں قیام پذیر مرکز مخالف بلغاری کسانوں اور البانیوں میں اسلحہ تقسیم کر دیا تھا جو عام بغاوت میں متحرک ہونے کے لیے حکم کے منتظر تھے۔ اس کے علاوہ روس کی بحری فوجیں بھی باغیوں کی حمایت میں کسی فوجی کاروائی کے لیے تیار تھیں۔

۲۳ جولائی کو صبح ہی صبح سلانیک میں لوگ گھروں سے نکلے اور ایک میدان میں جمع ہو گئے۔ وہ یہ نعرے لگا رہے تھے آزادی یا موت، غالب آفندی، سلیمان آفندی اور فضلی بک نے ترکی زبان جب کہ امانویل قراصوہ نے ہسپانوی، روصو آفندی نے فرانسیسی میں تقاریر کیں۔ اس کے بعد سالونیک کمیٹی نے جنرل عثمان پاشا کی طرف سے یہ ٹیلی گراف پیغام مرکز ارسال کیا: ”میں فوج کے پاس ہوں اور اس نے قسم اٹھائی ہے کہ اگر فوری دستور نافذ نہ کیا گیا تو وہ استنبول پر حملہ کر دے گی اور میرا ارادہ فوج کی قیادت کرنے کا ہے“۔ ۲۲ جولائی کو رات بھر قصر یلدیز میں اجلاس جاری رہا لیکن کسی فیصلے پر نہ پہنچا جا سکا۔ ۲۳ جولائی کو انجمنِ اتحاد و ترقی نے اعلان کیا کہ اگر چوبیس گھنٹے میں دستوری حکومت کا اعلان نہیں کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ مقدونیا کا انسپکٹر حلمی پاشا قتل کر دیا جائے گا بلکہ فوجیں استنبول کی طرف روانہ کر دی جائیں گے۔ ۲۳ جولائی کی رات کو وزرا کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو آج رات فیصلہ ہو گیا کہ دستوری حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ چنانچہ صدرِ اعظم سعید پاشا نے اس ضابطے کا ایک مسودہ بنا کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا جنھوں نے اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیے اور ۲۴ جولائی کو علی الصبح، انقلابی طاقتوں کو ان کے مطالبے کی منظوری کی اطلاع دے دی گئی۔ سلطنتِ عثمانیہ کئی ملکوں اور کئی قوموں کو خود میں سمیٹے ہوئے تھی اور کئی علاقے خود کو اس سلطنت سے الگ کرنے کے درپے تھے۔ انقلاب نے مرکز مخالف قوتوں کو سخت مہمیز دے دی۔ چنانچہ جولائی ۱۹۰۸ء میں انقلاب برپا ہوا تو اکتوبر کے شروع میں بلغاریا نے سلطنتِ عثمانیہ سے علاحدگی اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چند روز بعد آسٹریا۔ہنگری سلطنت نے بوسنیا ہرزیگوینیا کا الحاق اپنے ساتھ کر لیا اور پھر کریٹ جزیرے کو یونان کے ساتھ ملا دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۰۸ء میں سلطنت میں پہلے انتخابات کا انعقاد کیا گیا تو مجلس مبعوثان (پارلیمنٹ) کے ۲۷۵، ارکان میں صرف ۱۴۰ ترک تھے جب کہ باقی ۱۳۵ مختلف اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ جمعیتِ اتحاد و ترقی کے منشور میں سلطنت کا تحفظ بھی ایک شرط تھی لیکن غیر ترک ارکان؛ سلطنت کے اتحاد و مفاد کے بجائے اپنے علاقائی مفاد کو ترجیح دینے لگے تھے۔ آرمینیا کی انقلابی تنظیم ”طاشناق“ نے اناطولیہ اور استنبول وغیرہ میں آزادی کے حق میں مظاہرے کرنے شروع کر دیے۔ اپریل ۱۹۰۹ء میں ان لوگوں نے عام نافرمانی کا اعلان کر دیا بلکہ اضنہ شہر میں انھوں نے مسلمانوں پر حملے کر کے دو ہزار کے لگ بھگ افراد کو شہید کر دیا جس کے جواب میں مسلمانوں نے ہزاروں آرمینی قتل کر دیے۔ جمعیتِ اتحاد و ترقی کی حکومت

مملکت کو نہ تو امن دے سکی اور نہ اتحاد، تو نتیجے کے طور پر عوام الناس میں بے چینی پھیل گئی۔ اسی دوران اتحادیوں نے اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانا شروع کیا۔ استنبول میں متعیّن بریگیڈ نمبر ایک سلطان کا وفادار اور طاقتور بریگیڈ تھا۔ اتحادیوں نے محمود مختار پاشا کو بریگیڈ نمبر ایک کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا جو اتحادی تھا۔ ۷/اپریل کو نامور صحافی حسن فہمی بک کو قتل کر دیا گیا جو سربستی اخبار کے ایڈیٹر اور سلطان کے حامی تھے اور جمعیتِ اتحاد و ترقی کے زبردست ناقد تھے۔ طلبہ اور دینی عناصر میں سخت بے چینی پھیل رہی تھی۔ جمعیتِ محمدیہ کے نام سے ایک تنظیم بنالی گئی جس کی قیادت مراد بک الداغستانی کر رہے تھے۔ اسی طرح ایک جمعیت الاحرار بھی قائم کرلی گئی جس میں عوام الناس کے ساتھ کئی علمائے کرام بھی شامل تھے۔ ۱۳/اپریل کی صبح کو عوام الناس کا ایک جمِ غفیر آیا صوفیہ مسجد کے سامنے جمع ہو گیا۔ ان کے ساتھ سینکڑوں علمائے کرام اور تقریباً پانچ چھے ہزار فوجی بھی تھے۔ ان کی تقریروں کا لبِ لباب یہ تھا کہ ہماری فوج کو تقسیم کر دیا گیا اور احکامِ دینی کو پاؤں تلے روند ڈالا گیا اور اس سب کی وجہ جمعیتِ اتحاد و ترقی ہے۔ ان کے مطالبات مختصر تھے: شریعت کا احیا، صدرِ اعظم حسین حلمی پاشا، رئیس مجلسِ مبعوثین احمد رضا بک، حسین جاہد بک، جاوید بک، رحمی بک، طلعت بک، اسماعیل حقی بک اور دیگر یہود نواز عناصر کو سبکدوش کرنا۔ اتحادی عہدے داروں نے راہِ فرار اختیار کی جب کہ چند عہدے داروں کو قتل بھی کیا گیا۔

جاری ہے

کتابیات

السلطان عبد الحميد و هرتزل، دكتور بها الأمير

الدولة العُثمانية – عَوَامل النهُوض وأسباب السُّقوط، عَلي محمد الصَّلاَّبي

القدس و المسجد الأقصى عبر التاريخ، دكتور محمد على البار

المفصل في تاريخ القدس، عارف العارف

أسرار انقلاب عثماني، مصطفى طوران

****

مفتی نذیر احمد ہاشمی مدظلہ

ضبط و ترتیب: مولانا عابد علی

القواعد الفقهية

القاعدة السابعة: الاجتهاد لا ينقض بمثله

ایک اجتہاد کے ذریعے دوسرے اجتہاد کو باطل نہیں کیا جاسکتا

ماخذ

اس کا ماخذ اجماع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے چنانچہ بہت سے مسائل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرمایا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ورائے اس کے خلاف تھی اس کے باوجود انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلے کو نہیں توڑا۔

تشریح

جب کوئی واقعہ رونما ہو اور کوئی معاملہ زیرِ بحث لایا گیا، دورانِ بحث اور دورانِ تحقیق جو حالات اور شہادتیں سامنے آئیں ان کے پیشِ نظر قاضی یا مجتہد نے کوئی فیصلہ دیا اور پھر بعد میں اس جیسے معاملے پر غور کرتے وقت ایسے دلائل سامنے آئے کہ اس کا فیصلہ پہلے فیصلے کے برعکس کرنا پڑا تو اس برعکس فیصلے کی وجہ سے پہلا فیصلہ منسوخ نہیں ہوگا، اگر ایسا کیا جائے تو معاشرتی زندگی بے شمار الجھنوں کا شکار ہو کر رہ جائے گی، لہذا جو دلائل سامنے تھے ان کی روشنی میں فیصلے کیے گئے۔ ان حادثات اور معاملات میں بھی جو بعد میں آئے وہی فیصلے نافذ العمل ہوں گے۔ اگر بعد میں کیے جانے والے فیصلے کے پیشِ نظر پہلے والے

فیصلے منسوخ کر دیے جائیں تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا اور مسائل و مشکلات کی شدت زندگی کو غیر متوازن بنا دے گی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں ایک فیصلہ دیا مگر بعد میں اس جیسے دوسرے مقدمے میں پہلے فیصلے کے برعکس فیصلہ دیا اور جب انھیں بتلایا گیا کہ یہ فیصلہ پہلے فیصلے کے خلاف ہے تو انھوں نے فرمایا: تلك علی ما قضینا وهذه علی ما نقضي. ''پہلا فیصلہ بھی برقرار ہے جو ہم نے کیا اور دوسرا بھی نافذ ہوگا جو ہم کر رہے ہیں''۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ مَثَل بن چکا ہے۔جس سے یہ قاعد کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی جج یا مجتہد مختلف اوقات میں ایک جیسے معاملے پر دو مختلف فیصلے دے تو دونوں فیصلے اپنی اپنی جگہ نافذ العمل ہوں گے۔اور اگر دو جج یا مجتہد ایک جیسے معاملات پر مختلف فیصلے صادر کریں تو بھی دونوں فیصلے اپنی اپنی جگہ پر درست سمجھے جائیں گے اور دونوں حضرات کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے فیصلے کا احترام کریں،اس لیے کہ حتمی طور پر کسی بھی فیصلے کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہی بالکل برحق اور صحیح ہے۔اجتہادی معاملات میں ہر مجتہد اپنا اجتہاد کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں صحیح ہو، ساتھ ہی یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں غلطی پر ہو۔یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے کہ وہ جو فیصلہ فرمائیں وہ ہر حال میں صحیح اور برحق ہوتا ہے اور اس کا ماننا ایمان کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔

مثالیں

کوئی شخص حالتِ سفر میں ہو اور قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اپنی عقلی جد و جہد سے کسی ایک سمت کو قبلہ تصور کر لے، پھر ایک وقت کی نماز بھی اسی طرف ادا کر لے۔اس کے بعد اگلی نماز کے لیے کوئی دوسری سمت کی طرف اس کی رائے منقول ہو جائے تو وہ دوسری اجتہادی رائے پر عمل کرے گا، لیکن اول رائے اس ثانی پر عمل کرنے سے باطل نہ ہوگی اس لیے کہ ایک اجتہاد دوسرے کو باطل نہیں کرتا، چنانچہ اس پر نماز کی قضا واجب نہ ہوگی۔

دو ایسے کپڑے جن میں ایک نجس اور دوسرا پاک ہو، اور دونوں اس طرح مل گئے ہوں کہ دونوں میں فرق نہ رہا ہو اور

پاک کپڑے کے انتخاب میں اجتہاد کرکے ایک کپڑے کو پاک قرار دے کر نماز ادا کرلی، اس کے بعد اس کا اجتہادی انتخاب دوسرے کپڑے کے حق میں قائم ہو، اب یہ دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد پر مبنی عمل کو باطل نہیں کرسکتا۔

اگر کوئی قاضِی کسی فاسق شخص کی شہادت کو اس کے فسق کی بنا پر رد کردے، اس کے بعد یہ شخص توبہ کرکے اسی مقدمے میں شہادت کا اعادہ کرے تب بھی یہ شہادت مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس طرح پہلے فیصلے کو منسوخ کرنا پڑے گا۔

اگر قاضِی کسی امر پر ایک فیصلہ کرے اور اس کے بعد اس کا اجتہاد تبدیل ہوجائے اور اس امر کے بارے میں کوئی دوسرا فیصلہ کرلے تو پہلا فیصلہ منسوخ نہ ہوگا۔ مستقبل میں دوسرے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا نیز پہلا فیصلہ بھی درست کہلائے گا۔ صاحبِ ہدایہ نے اس کی دلیل بیان کی ہے: دوسرا اجتہاد اور پہلا اجتہاد دونوں برابر ہیں لیکن پہلے اجتہاد کو فیصلے اور قضا کی تقویت حاصل ہوگئی اس لیے وہ اپنی جگہ درست ہے، پس وہ دوسرے اجتہاد کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

* * * * *

فتاویٰ یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

ماہِ رجب کے روزوں کی فضیلت والی احادیث کا حکم

سوال: ماہِ رجب کے روزے کی فضیلت کے حوالے سے درج ذیل احادیث کے بارے میں بتائیے کیا یہ درست ہیں؟

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: "جس نے ماہِ حرام (رجب) کے تین روزے رکھے اس کے لیے نوسو سال کی عبادت کا ثواب لکھا جائے گا"۔ اللآلي المصنوعة للسيوطي

۲۔ فرمانِ مصطفی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہے کہ رجب کے پہلے دن کا روزہ تین سال کا کفارہ ہے اور رجب کے دوسرے دن کا روزہ دو سال کا کفارہ ہے اور تیسرے دن کا روزہ ایک سال کا کفارہ ہے اور پھر ہر دن کا روزہ ایک ماہ کا کفارہ ہے۔ الجامع الصغير للسيوطي

جواب: رجب کے روزوں کی فضیلت پر مشتمل مذکورہ احادیث انتہائی ضعیف ہیں اور ان روایات میں نکارت ہے۔ اسی لیے شراح حدیث فرماتے ہیں کہ رمضان کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھنے کا ثواب حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے پورے سال کے روزوں کے ثواب کے برابر قرار دیا اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہے تو جب رمضان اور اس کے ساتھ شوال کے روزوں کا ثواب ایک سال کے برابر ہے تو کسی اور مہینے کے ایک دن کا روزہ کیسے تین سال کے برابر ہو گا اس طرح اس حدیث میں نکارت آجاتی ہے۔ ولا يخفى ما ثبت من أن من صام رمضان وأتبعه بستّ من شوال كصيام السنة وقد تقرر أن فضيلة الفريضة تضعف على فريضة النفل، فهذه الفضائل تدل على نكارة الحديث. (التنوير شرح الجامع الصغير، كتاب الحدود، حرف الصاد)

اسی طرح شراحِ حدیث نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رجب کے روزے کے بارے میں کسی صحیح حدیث سے نہ تو فضیلت ثابت ہے اور نہ ہی ممانعت۔قال ابن الصلاح وغیرہ: لم یثبت في صوم رجب نهي ولا ندب. (فیض القدیر، حرف الصاد)

لہذا رجب کے روزوں کی فضیلت بیان کرنا اور اس کو مسنون قرار دینا درست نہیں۔ البتہ اگر کوئی سنت سمجھے بغیر اس مہینے میں روزے رکھ لے تو منع نہیں۔ جیسا کہ ہر مہینے تیرہ، چودہ، پندرہ کا روزہ رکھنا، اسی طرح ہر پیر اور جمعرات کا روزہ سنت ہے تو وہ اس مہینے میں بھی رکھ لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ خاص رجب کے روزے کی فضیلت کا اعتقاد درست نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

فتویٰ نمبر: 4355

*****

سید احمد شاہ معروف بہ احمد فرازؔ (۱۹۳۱ء-۲۰۰۸ء)
معروف شاعر

اے شعاعِ سحرِ تازہ

اے شعاعِ سحرِ تازہ نئے سال کی ضو
میرے سینے میں بھڑکتی ہے ابھی درد کی لو
میری آنکھوں میں شکستہ ہیں ابھی رات کے خواب
میرے دل پر ہے ابھی شعلۂ غم کا پرتو
جا بجا زخم تمنا کے مری خاک میں ہیں
کیا ابھی اور بھی ناوک کفِ افلاک میں ہیں
ہر نئے سال کی آمد پہ یہ خوش فہم ترے
پھر سے آراستہ کرتے ہیں در و بام اپنے
پھر سے واماندہ ارادوں کو تسلی دینے
ہم بُھلا دیتے ہیں کچھ دیر کو آلام اپنے
گل شدہ شمعوں کو ہم پھر سے جلا دیتے ہیں
پھر سے ویرانۂ قسمت کو دعا دیتے ہیں

یوں ہی ہر سال مرے دیس کی بے بس خلقت
پھر سے ادوار کے انبار میں دب جاتی ہے
خود فریبی کے تبسم کو سجا لینے سے
شدتِ کرب بَھلا چہروں سے کب جاتی ہے
منزلِ شوق کا اب کوئی بھی دلدادہ نہیں
وہ تھکن ہے کہ مسافر سفر آمادہ نہیں
اک نظر دیکھ یہ انبوہ در انبوہ غلام
جو فقط شومیٔ تقدیر سے وابستہ ہیں
ان کو کچھ بھی تو بجز وعدۂ فردا نہ ملا
یہ جو خود ساختہ زنجیر سے پابستہ ہیں
ان کا ایک ایک نفَس رہن ہے اغیار کے پاس
اب تو غمخوار بھی آتے نہیں بیمار کے پاس
اے نئے سال! کروں میں بھی سُواگت تیرا
تُو اگر دل سے مرے چاک قبائی لے لے
میں تو اُس صبحِ درخشاں کو تَونگر جانوں
جو مرے ہاتھ سے کشکول گدائی لے لے
جو مری خاک کو مستِ مئے پِندار کرے
جو مرے دشتِ وفا کو گل و گلزار کرے

*****

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان وصدر جامعہ دارالعلوم کراچی

نظم: اے وادیٔ کشمیر!

بسلسلہ 'یومِ یکجہتیٔ کشمیر'

تو حُسن کا پیکر ہے، تو رعنائی کی تصویر
مخمور بہاروں کے حسیں خواب کی تعبیر
رخشاں ہے ترے ماتھے پہ آزادی کی تنویر
تو جلوہ گہِ نورِ جہاں، نورِ جہاں گیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

ہر لمحہ مچلتی ہیں ترے من میں بہاریں
مے خانہ در آغوش درختوں کی قطاریں
چشموں کے ترانے ہیں کہ ساون کی ملہاریں
ندیوں میں تری نغمۂ آزادی کی تفسیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

کیوں تیری فضاؤں پہ اُداسی کے نشاں ہیں
نکھرے ہوئے گلزار بھی کیوں محوِ فغاں ہیں
چشمے ترے کیوں نالہ کش و نوحہ کناں ہیں
کہسار ترے کیوں ہیں جگر بستہ و دِل گیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

شاید تجھے مسلم کی وفاؤں سے گلِا ہے
فریاد تری سچ ہے، ترا شکوہ بجا ہے
لیکن مرے محبوب وہ وقت آن لگا ہے
گونجے گا فضاؤں میں جب اک نعرۂ تکبیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

مانا کہ دلوں میں وہ تب و تاب نہیں ہے
اس قوم کی تلوار میں وہ آب نہیں ہے
اب عزمِ مسلماں بھی وہ سیلاب نہیں ہے
گردش میں ہے برسوں سے مری قوم کی تقدیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

مانا تری مٹی پہ بہت خون بہا ہے
تو نے غم و آلامِ غلامی کو سہا ہے
لیکن مرے ہمدم! مرا دل بول رہا ہے
ہمّت کی حرارت سے پگھل جائے گی زنجیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

تکبیر کا نعرہ تری عصمت کا امیں ہے
چَھٹنے کو ہے تاریکیٔ غم، مجھ کو یقیں ہے
کیا ظلمتِ شب صُبح کی تمہید نہیں ہے؟
کیا خونِ شفق رنگ نہیں مژدۂ تنویر؟
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

اب وقت ہے سینوں میں عزائم کو جگالیں
ہم جام و سبُو توڑ کے تلوار اٹھالیں
ہر راہِ گلستاں کو کمیں گاہ بنالیں
کمزور ہے، لیکن ابھی ٹوٹی نہیں شمشیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

ہیں یاد ابھی خالدؓ و طارقؒ کے فسانے
کچھ دور نہیں احمدؒ و ٹیپوؒ کے زمانے
اٹھو، کہ چلیں ظُلم کو دنیا سے مٹانے
پھر زندہ کریں دہر میں یہ اسوۂ شبیرؓ
اے وادئ کشمیر! اے وادئ کشمیر!

ہم کو ترے شاداب نظاروں کی قسم ہے
جہلمؔ کے دلآویز کناروں کی قسم ہے
پھولوں کی، درختوں کی، چناروں کی قسم ہے
کاٹیں گے ترے پاؤں سے ہر ظُلم کی زنجیر
اے وادئ کشمیر! اے وادئ کشمیر!

سَر حُرمتِ توحید پہ کٹوا کے رہیں گے
ہم کُفر کے طوفان سے ٹکرا کے رہیں گے
طاغوت کے ایوان کو اب ڈھا کے رہیں گے
پیوندِ زمیں ہوگی ہر اک کفر کی تعمیر
اے وادئ کشمیر! اے وادئ کشمیر!

اک غلغلۂ نعرۂ تکبیر اٹھا کر
یہ برقِ تپاں خرمنِ باطل پہ گرا کر
توپوں سے برستے ہوئے شعلوں میں نہا کر
ہم خوں سے لکھیں گے تری آزادی کی تحریر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

دشمن کے عزائم تری مٹّی میں ملیں گے
مدّت سے جو رِستے ہیں ترے زخم، سِلیں گے
اس خاک پہ الفت کے حسیں پھول کھلیں گے
صیّاد جو اب تک تھا وہ بن جائے گا نخچیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

پھوٹیں گے تری خاک سے پھر نُور کے دھارے
ظلمت کدۂ کفر سے پھر اٹھیں گے شرارے
گونجے گی اذانوں کی صدا ڈل کے کنارے
پھر جاگ اٹھے گی تری سوئی ہوئی تقدیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

تو خاتمِ دنیا کا اک انمول نگیں ہے
تو حُسن کا مرکز ہے، بہاروں سے حسیں ہے
آسیؔ کی نگاہوں میں تُو فردوسِ زمیں ہے
فردوس تو ہوتی نہیں شیطان کی جاگیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

(جون ۱۹۶۵ء)

*****